بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

شاہانِ اسلام کی رواداریاں

اور

مصنفینِ ہنود

مؤلفہ

ملک فضل حسین صاحب قادیان

جسے

انجمن ترقی اسلام قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) نے شائع کیا

بار اول   (اکتوبر ۱۹۳۹ء)   تعداد طبع ۱۲۵۰

پیشکش

یہ ناچیز کتاب تعلیم یافتہ، روشن خیال، بے تعصّب، صُلح پسند اور ملک کی حقیقی خدمت کرنیکا جوش رکھنے والے ہندو نوجوان برادران کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جن کے بزرگوں کی کتابوں اور تحریروں کے اقتباسوں کا یہ مجموعہ ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خاکسار (ملک) فضل حسین احمدی مہاجر

قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) [illegible]

مُقدّمہ

دنیا کی فضا اس وقت مکدّر ہو رہی ہے۔ ہر ملک اپنے بچاؤ کی تدابیر اختیار کر رہا ہے۔ اگر جنگ کی آگ بڑھی اور پھیلی۔ تو اس کے شعلے دُور دُور تک پہنچیں گے۔ اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ہندوستان اُن سے محفوظ رہے گا۔ اور کسی طرف سے اور کسی لحاظ سے اس پر زد نہیں پڑے گی۔ کیا ہندوستان کو اپنی فکر نہیں ہونی چاہیئے؟ دوسرے ملک تو غیروں کو اپنا بنا رہے ہیں۔ اور ہندوستان کی دو بڑی قومیں ایک دوسرے سے دُور ہو رہی ہیں۔ اس کی وجوہات کیا ہیں اور قصور کس کا ہے؟ یہ وقت ان سوالوں کے حل کرنے کا نہیں۔ اگر آگ لگی تو جس کا قصور ہے وہ بھی جلیگا اور جس کا قصور نہیں ہے وہ بھی جلیگا۔ پس یہ وقت ملاپ اور صلح کا ہے۔ بڑے دشمن کے مقابلہ میں چھوٹے دشمنوں کو بھی دوست بنا لیا جاتا ہے۔ ایسے وقت میں اگر ملک کے باشندے آپس میں ہی ایک دوسرے کو کمزور کرنے میں لگے رہے تو طاقتوروں کی حرص انہیں کب چھوڑے گی؟

ہندوستان کیوں غلام ہے؟ اس لئے کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے سے مل کر رہنے پر غیروں کی غلامی پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جذبہ بھی اس قدر اصلی نہیں ہے جس قدر کہ پیدا کیا اور پرورش کیا گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو اب جبکہ ہندوستان تعلیم یافتہ ہوگیا ہے، اپنا اچھا بُرا سمجھنے کے قابل ہے، دنیا کی حکمرانی کی تدابیر اور سیاسی داؤ پیچ اور پروپیگنڈے کے فریبوں سے آگاہ ہے۔ پھر اُس اختلاف و مخالفت کے زہر سے کیوں نہیں بچتا۔ جو کئی سو سال سے اُنہیں کمزور کر رہا ہے؟ اس لئے کہ یہ زہر اُن کی گھٹی میں ڈالا گیا۔ اُن کی تعلیم، ان کی تربیت،

اُن کی صحافت ، اُن کی ملازمت ، اُن کی تجارت ، غرض اُن کے جُملہ کاروبار کا جُزو بنا دیا گیا ہے - اس لئے اس زہر سے بچنے کے لئے بڑی جدوجہد درکار ہے - اگر غلامی کا طوق اُتارنا ہے - تو اس زہر کا علاج کرنا پڑے گا - کیونکہ اس نے تو دل و جگر اور اعصاب کو ایسا کمزور کیا ہوا ہے - کہ ہاتھوں میں اتنی سکت ہی نہیں - کہ اس طوق کو اُتار سکیں - یہ زہر قومی منافرت ہے جس کے دُور کرنے کے لئے ملک کے بہی خواہوں کو بہت بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے -

اس چھوٹی سی کتاب میں اُس کے ایک خفیف جزو کو دیا گیا ہے - قوموں کے بزرگوں کی تہمت اُس کے افراد کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوتی ہے - اُن کے خلاف کوئی اشارہ بھی کرے تو دل و جگر میں آگ لگتی ہے - پہلے اسکو ٹھنڈا کیا جائے پھر ملاپ ہو سکتا ہے - چنانچہ اس کتاب میں اُن غلط فہمیوں کو دُور کیا گیا ہے - جو ہزاروں کتابوں، تقریروں اور مضامین کے ذریعہ پھیلائی گئی ہیں - کہ مسلمان بادشاہوں نے اپنی محکوم ہندو رعایا پر ایسے مظالم کئے ہیں - کہ اُنکی نسلیں مسلمانوں سے کبھی نہیں مل سکتیں - یہ تمام پراپیگنڈا غلط اور جھوٹ ہے - جو تعلقات ہندو مسلمانوں میں اس پراپیگنڈے سے پہلے تھے وہ دوستانہ اور برادرانہ تھے - اور اُنہی تعلقات کو پھر پیدا ہونا چاہیئے -

اس مختصر کتاب میں اپنے ہندو برادران کے سامنے جو اپنے اور بیگانوں کے اس پروپیگنڈے کے شکار ہو رہے ہیں اصل کیفیت پیش کرنیکی کوشش کی گئی ہے - اس لئے اُنہی کے نام پر اس کتاب کو معنون کیا گیا ہے - کیونکہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالے اسوقت کے تعلیم یافتہ نوجوان ہی ہیں ÷

نیازمند عبدالمغنی خاں ناظر دعوت و تبلیغ قادیان

$\frac{۹}{۳۹}$ ۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

شاہانِ اسلام کی بے مثال رواداریاں

متعصب اور شپرہ چشم معترض، اسلام اور اہلِ اسلام کو بدنام کرنیکے لئے بے شک یہ کہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر کہیں کہ " اسلام نے اپنے پیرؤں کو جبر و تشدد کی تعلیم دی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعصب اور تنگدلی کا سبق پڑھایا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے کبھی اپنے زمانۂ اقتدار میں غیر مسلموں پر، اپنے مفتوحوں اور محکوموں پر، ماتحتوں اور مملوکوں پر بے دریغ ظلم کئے۔ ستم ڈھائے، اور جی بھر کر اُن کی توہین کی۔ اور انکی اہانت و تذلیل میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور اس روشنی و تہذیب کے زمانہ میں بھی اُن کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کہ جس کا نمونہ آج بھی دکن اور اسلامی صوبوں میں دیکھا جا سکتا ہے " مگر جو لوگ تعصب سے بالا، حقائق آگاہ، انصاف پسند اور حقیقت شناس ہیں وہ بھول کر بھی اس قسم

کی بے بنیاد، شرانگیز اور منافرت آمیز باتیں زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی وہ مقدس مذہب ہے۔ کہ جس نے سب سے پہلے دنیا میں حرّیت و مساوات کی ہوا چلائی، اسلام ہی وہ پوتر دھرم ہے۔ کہ جس نے اپنے متبعین کو سیرچشمی، بُردباری، انصاف پسندی اور رواداری کا درس دیا۔ اور یہ اسلام اور صرف اسلام ہی کے قدوم میمنت لزوم کے طفیل ہے۔ کہ اس کے نام لیواؤں نے اپنے دورِ اقبال میں جیسی سیرچشمی، فیاضی اور وسعتِ قلبی کا نمونہ دکھایا۔ اور اپنے مفتوحوں اور ماتحتوں سے جس طور کی مسالمت و رواداری برتی۔ وہ یقیناً یقیناً ایسی ہے۔ کہ جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم، کوئی مذہب اور کوئی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ یہ اسلام ہی کے پرستار اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے عاشق زار تھے۔ کہ جس ملک میں گئے۔ اُسے اپنی مخلصانہ کوششوں سے ترقی کے بلند بام تک پہنچا دیا۔ اور جس قوم پر فتح پائی۔ اُسے ہر قسم کے حقوق دئے۔ مراعات بخشیں۔ اور اُن کے مذہب، اُن کے تمدّن، اُن کی تہذیب سے قطعاً کوئی تعرّض نہ کیا۔ اور شرک و بُت پرستی سے متنفر ہوتے ہوئے بھی اپنی مشرک و بُت پرست رعایا کے معبدوں، مندروں اور مٹھوں کی حفاظت کی۔ یہی کیوں؟ اُن کی رونق بحال رکھنے کے لئے انتہائی دریادلی سے کام لیتے ہوئے ہزاروں کی نہیں لاکھوں روپوں کی جاگیریں وقف کر دیں۔ اور پنڈے پوجاریوں اور مذہبی مقتداؤں کے گذارہ کے لئے بھی بیش قرار وظائف مقرر کر دئے۔ اور اپنی غیر مسلم رعایا کو مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری پوری آزادی عطا فرمائی۔ اور اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اپنی غیر مسلم رعایا کو اور بھی ہر قسم کے حقوق دئے۔ حکومت کے کاموں میں شریک کیا۔ اعلیٰ سے

اعلیٰ عہدے، اور بلند سے بلند مناصب پر انہیں فائز کیا۔ الغرض اسلام کے شیدائیوں اور محمد رسول اللہؐ کے فدائیوں نے اپنی غیر مسلم رعایا پر ہمیشہ نظرِ عنایت رکھی۔ اور ان کی دلدہی و دلداری کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کہ جس کے درخشاں نظائر اس گئے گذرے زمانہ میں بھی اسلامی صوبوں اور مملکت آصفیہ میں ہر دیکھنے والے کو بکثرت نظر آسکتے ہیں۔ اور یہ صرف خالی مولی باتیں نہیں۔ حقائق ہیں اور ناقابل تردید حقائق ہیں کہ جن کی تصدیق خود غیروں کو بھی طوعاً یا کرہاً کرنا پڑی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آراء سے ظاہر ہے:۔

مخالفینِ اسلام کے پروپیگنڈا کی علّتِ غائی

ایک سوال

لیکن قبل اس کے کہ ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں غیروں کی رائیں درج کریں۔ پہلے اس سوال کا جواب دے دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جو اس موقعہ پر اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اگر حقائق اور ناقابل تغلیط حقائق ہیں۔ تو مخالفین اسلام پھر کیوں اس قسم کی باتیں زبان پر لاتے ہیں۔ اور اسلام، اشاعِ اسلام اور شاہانِ اسلام کو بے وجہ متہم اور بدنام کرنے کی سعیٔ ناپاک کرتے ہیں؟

سوال کا جواب

سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کے دل بھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ اُن کے لایعنی اعتراضوں میں کوئی وزن نہیں۔ مگر یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس قسم کی بہتان طرازی کے اس لئے مرتکب ہوتے ہیں۔ کہ اس سے اُن کے قومی مقاصد اور

سیاسی مشن کو تقویت پہنچتی ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو ملعون و بدنام کرنے اور دنیا کی نگاہوں میں رُسوا کرنے ہی سے اُن کی "ہندو راج" کی سکیم کامیاب ہوسکتی ہے۔ ان کا اسلام پہ جبر و تشدد کا الزام لگانا یا آنحضرت صلعم کو غیر روا داری و تنگدلی کا معلم بتلانا اور گذشتہ و موجودہ مسلمان حکمرانوں کو ظالم، جابر، چیرہ دست اور سفاک کہنا محض اس لئے ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ہندو پبلک اسلام اور عمائدین اسلام سے متنفر ہو جائے۔ اور اسلام کی فطرتی دلربائی و رعنائی پر موہت و فریفتہ ہو کر اُن کی اکثریت کو اقلیت میں نہ بدل دے۔ وہاں حکمران قوم اور دیگر ممالک کے باشندوں کو بھی مسلمانوں سے بیزار کر کے ان پر واضح کر دیں۔ کہ مسلمان اس قابل ہی نہیں۔ کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں حکومت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دی جائے۔

چونکہ ملک میں کئی علاقے ایسے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ کئی ایسی ریاستیں ہیں، جہاں کی حاکمانہ باگ ڈور نام لیوایان اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یہ نہیں چاہتے۔ کہ مسلمان کسی جگہ بھی برسر اقتدار نظر آئیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی علاقوں میں یہ لوگ جہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا کر ہندو اقلیت یا غیر مسلم رعایا کے دماغ مسموم کرتے رہتے ہیں۔ وہاں دیگر صوبوں کے ہندوؤں کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بُری طرح اُکساتے رہتے ہیں۔

کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو اس قسم کا زہریلا پروپیگنڈا کبھی بھی نہ کرتے۔ یہ آئے دن کے ہنگامے، فتنے اور فسادات اسی گندے اور ناپاک پروپیگنڈا کی وجہ سے ہیں۔ اگر آج یہ لوگ اس طور کا شر انگیز اور شرمناک پروپیگنڈا بند کر دیں۔ تو یقیناً ملک ہمیشہ کے لئے فتنہ و فساد سے پاک ہو جائے۔

مگر چونکہ اس قسم کا منافرت آمیز پروپیگنڈا ملکی اور اسلامی مفاد کے لئے ضرر رساں ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے مسلمانانِ ہند کو چاہیئے کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں۔ اور دنیا کو بتلا دیں۔ کہ ہندو راج کے خواہشمندوں کا۔ اسلام اور اہل اسلام اور اُمرائے اسلام کے خلاف اس قسم کے بہتان باندھنا۔ نرا ایک پروپیگنڈا ہے۔ جس کی بناء بدظنی اور محض بدظنی پر مبنی ہے۔ وراّلا یہ اپنے اندر شمّہ بھر بھی حقیقت نہیں رکھتا۔

اس سے جہاں مخالفین کی پیدا کردہ غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی۔ اور دُنیا، اسلام کا روشن اور درخشاں چہرہ دیکھ سکے گی۔ وہاں اسلام کی ترقی و اشاعت میں بھی جو روکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں، وہ بھی دُور ہو جائیں گی۔ اور جس جس جگہ مسلمانوں کو حکومت یا اکثریت حاصل ہے۔ اُس کو بھی کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔

چونکہ ہمارا تعلق ایک ایسی جماعت سے ہے کہ جس کا مشن ہی دنیا میں امن قائم کرنا اور ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا اور آشتی و پریم کے ساتھ اسلام کے حقیقی حُسن و جمال سے غیر اقوام کو روشناس کروانا ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے ایک ادنیٰ ترین ممبر ہونے کی حیثیت سے ہم بھی اس ظلم کے خلاف جو مخالفین اسلام کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اس شر انگیز پروپیگنڈے کے خلاف جو محض ہندو راج قائم کرنے کی نیّت سے کیا جا رہا ہے، صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ اور اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اپنے عزیز ہموطنوں کو مخالفین کی ہزلیات و مفتریات کی اصل حقیقت سے واقف و آگاہ کرنے کی خاطر چند حقائق قلمبند کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں۔ کہ حق جُو، انصاف پسند اور راستی شعار ہندو بھائی ہماری

معروضات اور پیش کردہ حقائق کا بنظرِ تعمق مطالعہ فرمائیں گے۔ تاکہ انہیں معلوم ہوسکے اور وہ جان جائیں۔ کہ اکثریت پر گھمنڈ کرنے والے اپنی جمعیت اور اقتدار پر اترانے والے اپنے پروپاگنڈا اور شور وغوغا پہ نازاں ہونے والے اپنی بہتان بندیوں میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ اور ان کا، اسلام، شارع اسلام، امرائے اسلام کو ملعون و بدنام کرنے کی ناپاک کوشش کس قدر ظالمانہ فعل ہے۔ کہ جس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہر عدل پسند اور منصف مزاج فرزندِ ملک کا فرضِ اوّلین ہے۔

اب ہم حسب وعدہ مخالفینِ اسلام کے بے بنیاد پروپیگنڈا کی تغلیط میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ غیر مسلموں ہی کی طرف سے ایسی ٹھوس، ناقابلِ تردید، حقائق پر مبنی اور اقبالی شہادتیں درج کرتے ہیں۔ کہ جو اُن کے مبنی بر شرارت پروپیگنڈے کا انشاء اللہ سارا ہی تار پود بکھیر کر رکھ دینگی - اور دنیا دیکھ لے گی۔ کہ اس قسم کی یاوہ گوئی و ہرزہ سرائی پر مبنی پروپیگنڈا جن لوگوں کیطرف سے ہو رہا ہے۔ وہ کس وضع و قماش کے لوگ ہیں۔ اور اُن کی غوغا آرائی قوم کے لئے، وطن کے لئے اور ملک کی ترقی و بہبودی کے لئے کس قدر ضرر رساں اور نقصان دہ ہے۔

اسلام اور حضرت شارع اسلام کی رواداراُنہ تعلیم کا اقبال

مسٹر چونی لعل آنند ایم اے ایل ایل بی کی رائے،

اب سب سے پہلے ایک ویدک دھرمی فاضل کے اُس لیکچر کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھا جائے۔ جو کہ انہوں نے مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور میں ۱۹۲۴ء میں

"مغلوں کے ماتحت مذہبی تشدد کی کہانی" کے عنوان پر دیا تھا۔ فرمایا کہ :-

" ایسے وقت میں جب مذہبی پجاریوں کو ہندوستان کے قومی دِل پر پورا قبضہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور ویشش اور شودر ایک سوشل اور پولٹیکل غلامی کی پوزیشن کو پہنچ چکے تھے۔ عرب میں اپنے دیسی رؤسا اور تمام مسلمانوں کو اخوت کا سبق سکھانے کے لئے ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہُوا۔ انسانی کانوں کے لئے یہ ایک نیا مذہب تھا۔ جو دنیا کی تاریخ میں لاثانی تھا۔ اور یہودیوں، عیسائیوں اور ایرانیوں، یونانیوں و رومن لوگوں غرضیکہ سب کے لئے حیرت انگیز تھا۔ عربی مدبر نے کہا۔ کہ دیکھو اپنے غلاموں کو ویسی ہی خوراک دو۔ جیسی کہ تم کھاتے ہو۔ وہی کچھ پہننے کو دو جو تم آپ پہنتے ہو۔ اور اگر وہ کوئی قصور کریں تو اُن سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ خدا کے غلام ہیں۔ اور اُن کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ اے لوگو! میرے الفاظ سنو اور انہیں سمجھو اور جانو کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم سب ایک برادری ہو۔ اسی طرح عربی پیغمبر (صلعم) نے غلاموں کو اور مذہبی و سیاسی ظلم کے تختہ مشق بدقسمت آدمیوں کو اپنا آزادی کا پیغام دیا۔ اور ایک ایسی زبردست قوم تیار کی۔ کہ جو اپنے زبردست انتظام کی وجہ سے سندھ سے جبل الطارق تک تمام دنیا پر اپنا اثر ڈالنے والی تھی۔ مدینہ میں اپنی نئی سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی یہودی اور عیسائی رعایا کے نام

پروانۂ آزادی جاری فرمایا۔ "سپرٹ آف اسلام" کا مصنف رقمطراز ہے۔ کہ اس (پروانہ) کے ذریعہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عیسائیوں کو ایسی مراعات عطا کیں جو انہیں اپنے مذہب کے بادشاہوں کے ماتحت بھی حاصل نہ تھیں۔ اور اعلان فرمایا۔ کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ تو اُسے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرنیوالا اور اپنے مذہب کی تحقیر کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ آپؐ نے خود یہی وعدہ کیا اور نیز اپنے پیروؤں کو حکم دیا۔ کہ وہ عیسائیوں (و دیگر غیر مسلموں) کو پناہ دیں۔ اور یہودیوں کے مکانات کی حفاظت کریں۔ اور انہیں تمام نقصانات سے بچائیں۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ ان پر ناواجب ٹیکس نہ لگائے جائیں۔ کسی بشپ کو بشپ خانہ سے نہ نکالا جائے۔ نہ کسی زائر کو زیارت سے روکا جائے۔ اور نہ مسجدیں اور مسلمانوں کے مکانات تعمیر کرنے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجوں کو مسمار کیا جائے۔ جو عیسائی عورتیں مسلمانوں سے شادی کر لیں۔ انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا جائے۔ اور ان پر کسی قسم کا جبر یا تشدد روا نہ رکھا جائے۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجوں یا خانقاہوں کی مرمت کی ضرورت ہو یا ان کے مذہب کے متعلق کسی دیگر معاملہ میں امداد کی ضرورت ہو۔ تو مسلمانوں کو انہیں مدد دینی چاہیئے۔۔۔۔ الخ" (مسلم راجپوت امرتسر ۲۳ مئی ۱۹۲۴ء)

موسیو اوجین کلوفل کی رائے اس کے بعد ایک عیسائی کا بیان پڑھا جائے۔ جو اس نے بایں الفاظ دیا ہے کہ:۔

"محمد (صلعم) نے تمام دنیا کو فتح کرنا۔ اور اسلام کا بول بالا کرنا چاہا۔ مگر غیر مذاہب والوں پر کسی قسم کا جبر و ستم روا نہیں رکھا۔ ان کو مذہب اور رائے کی آزادی عطا کی۔ اور اُن کے تمدنی حقوق قائم رکھے۔"

(علمائے فرنگ اور اسلام ص۹)

معترضوں کے اس ناپاک پروپیگنڈا کی تغلیط میں ہم ایک آریہ سماجی ایڈیٹر کے رسالے سے ایک ہندو فاضل کی رائے درج کرتے ہیں۔ غور سے پڑھیں:۔

شری یت سندر لال جی کی رائے

کلکتہ کے مشہور آریہ سماجی جرنلسٹ پنڈت بنارسی داس چترویدی نے اپنے ماہوا ہندی رسالہ "وشال بھارت" میں شری یت سندر لال جی کا ایک مضمون آنحضرت صلعم کی لائف پر شائع کیا تھا۔ جس میں فاضل مضمون نگار نے آنحضرت صلعم کی رواداری کا بایں الفاظ اقرار کیا کہ:۔

"دوسری بات یہ ہے کہ حکمران کی حیثیت سے محمدؐ صاحب نے غیر مسلموں کو یہاں تک کہ بُت پرستوں کو بھی ان کی حکومت کے اندر رہ کر اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری پوری آزادی بخشی۔ اور انکی عبادتگاہوں کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض قرار دیا۔ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" یعنی مذہب کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ قرآن کی مدنی آیت ہے۔ اور محمدؐ صاحب کی تمام زندگی اس آیت کی جیتی جاگتی تفسیر ہے۔ اس کے ثبوت میں عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر مذاہب کے معتقدوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً محمدؐ صاحب کے جو معاہدے ہوئے اُن کی نقلیں ابھی تک موجود ہیں۔" الخ

(رسالہ وشال بھارت کلکتہ نومبر ۱۹۳۳ء ص۵۱۴)

فاضل وی پی شیوم کی رائے

اس کے بعد ایک اور آزاد خیال ہندو کی مندرجہ ذیل رائے ملاحظہ ہو :-

"اسلام نے دوسرے مذہبوں کے ساتھ بہترین رواداری برتنے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اللہ (صلعم) نے اتفاق وامن قائم رکھنے کی زبردست تعلیم وتلقین کی۔ اور ہر مذہب والے کو نہ صرف اپنے مذہب کی آزادانہ پرستش کی اجازت دی۔ بلکہ اُن کو سیاسی مراعات اور ذمہ واریاں عطا فرمائیں "

(اخبار ہمدم لکھنؤ ۸ رمئی ۱۹۲۶ء)

ڈاکٹر لکشمیدت صاحب بی۔اے ایڈیٹر مسافر آگرہ کی رائے

اس کے بعد ہم ایک کٹر آریہ سماجی ایڈیٹر اور مناظر کی رائے درج کرتے ہیں۔ جس کے پڑھنے سے ناظرین پر واضح ہوجائیگا کہ معترضوں کا جوشِ تعصب میں آکر آنحضرت صلعم ایسی برگزیدہ ہستی پر تنگدلی تعصب کا الزام لگانا یا آپ کو ظلم و جور کا معلم بتلانا کس قدر غلط اور بے بنیاد بہتان ہے۔

"میں نے جہاں تک بھی احادیث و دیگر اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے۔ جہانتک قرآن شریف کی آیات کے حقیقی مطالب کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ اور جہاں تک آنحضرت کی زندگی اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کی سعی کی ہے۔ میں یہی سمجھا ہوں۔ کہ وہ دنیا کو غلامی کی گوناگون زنجیروں سے آزاد کرانے آئے تھے۔ گرے ہوئے انسانوں نے اپنے بلند رُتبہ کو بھول کر اینٹ پتھر اور سونے چاندی کے بے جان بُتوں کے رُوبرو سر خم کر دئے تھے۔ لوگ کائنات کے مالک کی بجائے خود کائنات کی پرستش کو نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے تھے۔ دولتمند غریبوں کے خون پر

پرورش پا رہے تھے - زبردست ، زیردستوں کو اپنا شکار سمجھتے تھے - اخوت و مساوات جماعت انسانی سے باہر ہو چکے تھے - ان حالات میں خدائے ذوالجلال نے سرزمینِ عرب پر ، ہاں ہاں گھٹا ٹوپ تاریکی میں ڈوبی ہوئی سرزمینِ عرب پر ایک روشنی بھیجی جس نے گرے ہوؤں کو اُٹھا لیا ، ڈوبے ہوؤں کو بچا لیا - ہاں ہاں جس نے اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کو روشنی دکھلا دی - مظلوموں ، بے کسوں ، بے بسوں کو پنجۂ ستم سے نجات دلائی - اور بھولوں کو راہ مستقیم دکھائی . . . . . . آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے جنگلیوں کو وحدت کا پیغام سُنانا ، عرب کے ریگستانوں میں وحدہٗ لاشریک کے ترانے گانا - اور زیردستوں کو زبردستوں کے پنجۂ ستم سے چھڑا کر مساوات کے درجہ پر لانا ، بلاشک کسی انسان کے لئے آسان کام نہیں تھا - اور یقیناً وہ ہستی دنیا کی بلند ترین ہستیوں میں شمار کی جائے گی - جس کی اولوالعزمی ، شجاعت و بلند خیالی نے انسانی جماعت کے ایک بڑے حصہ کو توہمات باطلہ سے نجات دلائی " (رسالہ مولوی رسول نمبر بابت ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۲۵)

خلفائے اسلام کی فقید النظیر رواداریاں

اس کے بعد ہم فرانس کے ایک مقتدر و بلند پایہ اور نامور فاضل ڈاکٹر گستاولی بان کی تحقیق کا ملخص بھی پیش کرتے ہیں - جس کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا - کہ اسلام ، شارع اسلام اور خلفائے اسلام روادار تھے یا

چیرہ دست اور سفاک؟

ڈاکٹر گستاولی بان فرنچ محقق کی تحقیق انیق

فاضل موصوف اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تمدنِ عرب" میں لکھتے ہیں کہ:-

"جس وقت ہم فتوحاتِ عرب پر نظر ڈالیں گے۔ اور اُن کی کامیابی کے اسباب کو اُبھار کر دکھائیں گے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اشاعتِ مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔"

(تمدنِ عرب صـ۱۲۴)

"اگر اقوام عیسوی نے اپنے (مسلمان فاتحین) کے دین کو قبول کر لیا۔ اور بالآخر اُن کی زبان کو بھی اختیار کیا۔ تو یہ محض اس وجہ سے تھا۔ کہ انہوں نے اپنے جدید حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں وہ اس وقت تھے۔ بہت زیادہ منصف پایا۔ نیز اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔" (" صـ۱۲۴)

"ان آیاتِ قرآن میں جو اُوپر نقل کی گئیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ماقبل کے مذاہب کی اور علی الخصوص مذہب یہود و نصاریٰ کی بے انتہا رواداری کی ہے۔ اور ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ کہ آنحضرت صلعم کے ان احکام کی پابندی آپ کے جانشینوں نے کس درجہ کی ہے۔ کُل ان مسلم و غیر مسلم مورخین نے جنھوں نے عربوں کی تاریخ کو بغور پڑھا ہے۔ اس رواداری کا اعتراف کیا ہے۔" (تمدن عرب حاشیہ صـ۱۲۵)

"میشو رہبان اپنی کتاب" مذہبی سفر مشرق" میں لکھتا ہے۔ کہ:۔
"عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے۔ ان کو مسلمانوں نے تعلیم کی۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے۔ کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے۔ اور کسی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔" (" حاشیہ ص۱۲۵)

" رابرٹسن اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے۔ کہ
" وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعتِ مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری ملی ہوئی تھی۔" (" ص۱۲۴)

" خلفائے راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق۔ ان کی سپہ گری اور اس فن حرب کے تھی جسے انہوں نے اس آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا۔ جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا۔ اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے (مسلمان) ملک گیروں کو قبول کر لیا۔ مفتوح اقوام کے ساتھ طریقِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ نہایت صاف اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابل ہرگز بزورِ شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ بعوض اس کے کہ وہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے۔ جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے۔ کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب و رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے

حُرمت کی جائے گی۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہاں سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پُرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے۔ نہایت ہی کم تھا۔" (۱، ص۱۳۱)

"بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیرانِ اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ نرم سلوک کرتے تھے۔ اور یہ سلوک ان مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی۔ نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے۔ اور آپ نے سفرونیس بطریق سے درخواست کی۔ کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے اسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی (میں) ذمہ وار ہوں کہ کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حُرمت کی جائے گی۔ اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔"

"جو سلوک عمرو بن عاص (سپہ سالار اسلام) نے مصریوں کے ساتھ کیا۔ وہ اس سے کم نہ تھا۔ اس نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا۔ کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی، پورا انصاف بلا رو رعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دئے جائینگے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہانِ یونان اُن سے وصول کیا کرتے تھے۔ صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائیگا۔

جس کی مقدار فی کس دس روپیہ تھی - رعایائے صوبہ جات نے اِن شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہو گئے - اور جزیہ کی رقم انہوں نے پیشگی ادا کر دی - عمّال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے - اور انہوں نے ان رعایا کے ساتھ جو ہر روز (عیسائی) شہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع اقسام کے مظالم سہا کرتی تھیں اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا - کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی دینِ اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا - میں بار بار کہوں گا - کہ یہ وہ نتیجہ ہے - جو ہر گز بزورِ شمشیر نہیں حاصل ہو سکتا - اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی، وہ ہرگز یہ کامیابی نہ حاصل کر سکیں" (ر صفحہ ۱۳۲-۱۳۳)

" عربوں نے اسی قسم کی ہمدردی (حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کی طرح) کل بلادِ شام کے ساتھ برتی - اور وہاں کے باشندوں نے بھی نہایت آمادگی کے ساتھ اُن کی حکومت قبول کر لی - اور بالآخر اکثر نے اُن میں سے مذہب عیسوی کو چھوڑ کر اپنے (مسلمان) ملک گیروں کے دین اور زبان کو اختیار کر لیا - اس وقت سے اب تک شام کی حکومت کئی مرتبہ بدلی - لیکن دین اسلام اور عربی زبان اسوقت بھی اسی طرح رائج ہے، جیسی اوائل فتوحاتِ عرب میں تھی" (ر صفحہ ۱۴۵)

" عربوں کی حکومت میں رہ کر شام (و دیگر مفتوحہ ممالک) نے پھر وہ سرسبزی حاصل کر لی - جو سالہائے دراز سے مفقود ہو گئی تھی - خلفائے بنی اُمیہ و عباسیہ کے زمانہ میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا - عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف اور

لہ اس سے بھی بہت کم تھی - احمدی مہاجر

انسانیت سے برتاؤ کیا۔ اور ان کو پوری آزادی مذہب کی دی۔ اور ان کے عہد حکومت میں کلیسا مشرقی اور مغربی دونوں کے رئیس الاساقفہ کو اس قدر آرام ملا۔ جو انہیں اس وقت تک ہرگز نصیب نہ ہوا تھا۔ شام کے تمام بڑے شہر بیت المقدس صیدون۔ دمشق۔ صور یہ بہت ہی سرسبز ہو گئے۔ اور حرفت و فلاحت نے بے انتہا ترقی کی۔" (" صلے ۱۲)

" تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فتح ہونے کے ساتھ ہی اس ملک میں اعلیٰ درجہ کی ترقی شروع ہو گئی۔ عربوں کو علوم یونان و روم کا ایسا جوش پیدا ہو گیا۔ جیسا انہیں لڑنے کا جوش تھا۔ ہر طرف مدارس اس کثرت سے قائم ہو گئے۔ اور چند روز میں شاگرد استادوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ اور علوم شاعری و صنعت میں ترقی نمایاں ہونے لگی۔" (تمدن عرب صفحہ ۱۵)

اسی طرح کی اور بھی بیسیوں غیر مسلم اصحاب کی آراء درج کی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ غیر مسلم معترضین کا اسلام، حضرت پیغمبر اسلام، خلفائے اسلام اور تعلیم اسلام پر عدم رواداری اور جبر و تشدد کا الزام لگانا قطعی بے بنیاد اور غلط محض ہے۔ یہ چند جچی تلی اور حقیقت پر مبنی رائیں بھی کافی سے وافی ہیں۔ اس کے بعد ہم بعض دیگر آریوں اور مہا سبھائیوں اور دیگر ہندوؤں کی تحریروں سے دکھلائیں گے۔ کہ خلافت راشدہ کے بعد ہونے والے مسلمان حکمرانوں نے بھی (سوائے چند ناقابل ذکر مستثنیات کے) اپنی غیر مسلم رعایا پر کبھی جبر یا تشدد نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے مقدس مذہب کے احکام اور حضرت شارع اسلام کے اسوہ حسنہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ

ہی اپنی غیر مسلم رعایا پر نظرِ عنایت رکھی - اُن کی دلدہی و دلداری کی - ان پر انعام واکرام کی بارشیں برسائیں - ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور بلند سے بلند تر عہدے عطا فرمائے - یہی نہیں بلکہ اُن کے مذہب، اُن کے تمدن، اُن کے لٹریچر، اُن کی تہذیب، اُن کی زبان اور اُن کی عبادت گاہوں کا احترام کیا۔ اور حتی الامکان اُن کی حفاظت بھی کی -

چونکہ اس جگہ اتنی گنجائش نہیں - کہ مختلف ممالک کے شاہانِ اسلام کی تابناک اور درخشاں رواداریوں کو تفصیل سے بتلایا جائے - کہ جن کے ذکر سے تاریخ عالم لبریز ہے - اس لئے فی الحال ہم اپنے بیان کو ہندوستان تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں - اور بتلانا چاہتے ہیں - کہ اسلام کے مخالف اور حق کے بیری ہمارے قابل صد احترام و افتخار اجداد پر جس قدر بھی لغو اور بیہودہ اعتراض کیا کرتے ہیں - ان کی اصل حقیقت کیا ہے - اور اس کے متعلق ہم خود کچھ نہیں کہنا چاہتے - بلکہ اس بارہ میں اعتراض کرنے والوں ہی کے ہم مذہب و ہم مشرب اصحاب کی تحقیق کا نچوڑ ہدیۂ ناظرین کر دینا چاہتے ہیں - تاکہ قارئین کرام کو پتہ لگ سکے، کہ شاہانِ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا کے لئے ظالم، جابر، قاہر اور متشدد تھے - یا اس سے کمال درجہ کی مسالمت و رواداری برتنے والے تھے -

لیکن قبل اس کے کہ ہم حسب وعدہ شاہانِ اسلام کی رواداریوں کے متعلق کچھ لکھیں، یہ زیادہ بہتر ہوگا - کہ اس سے قبل خود معترضین کے آباؤ اجداد کی "رواداریوں" "فراخدلیوں" اور "قلب کی وسعتوں" کے متعلق ناظرین کو کسی قدر واقف کروا دیں - تاکہ آریوں کے آباؤ اجداد (جن پر انہیں بہت کچھ فخر و ناز ہے) اور شاہانِ اسلام کی مسالمت و رواداری کا موازنہ ہو سکے اور

قارئین کرام جان سکیں۔ کہ آج جو لوگ مُنہ پھٹ ہو کر بغیر کسی معقول بلیاد کے شاہان اسلام کے مُنہ آتے ہیں، خود اُن کے بزرگ اور اجداد اپنے محکوموں اور ماتحتوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھتے تھے۔

ویدک دھرمیوں کی "رواداریوں" کے چند نمونے

قدیم آریوں کا ملک کے اصلی باشندوں سے ظالمانہ برتاؤ

ہمارے آریہ دوستوں کے پردیسی آباؤ اجداد نے یہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا۔ تاریخ دان اصحاب سے مخفی نہیں۔ اور تاریخ ہند کا یہ ابتدائی باب اتنا دردناک اور خون کے آنسو رُلانے والا ہے۔ کہ ہزاروں سال گذر جانے کے بعد بھی اس کا دُھندلا سا خیالی نظارہ بھی دلوں میں درد اور ٹیس پیدا کر دیتا ہے۔ مگر باوجود ان زہرہ گداز اور المناک واقعات کے پھر بھی اُنہی آریوں کی اولاد آج دوسروں پر عدم رواداری و تظلم کا عیب دھرتی ہے۔ حالانکہ اسلام پر اعتراض کرنے والے جانتے ہیں۔ کہ اُن کے آریہ آبا نے یہاں کے باشندوں کے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک کیا۔ اور کس طرح اُن کی املاک پر قبضہ جمایا۔ اور کتنی سنگدلی و بیدردی سے ان کے قلعے مسمار کئے۔ محلات اُجاڑ دئے۔ آبادیوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ ویدک دھرم کی سجے بولتے ہوئے ان مظلوموں کی تہذیب، اُن کا تمدن، ان کا لٹریچر، ان کی زبان، ان کی صنعت و حرفت، ان کی زراعت اور تجارت بھی غارت کر کے رکھدی۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے۔ کہ جنہوں نے اپنی مخلصانہ کوششوں سے اس اجاڑ اور ویران ملک کو آباد کیا تھا۔ سرسبز و شاداب بنایا تھا۔ اس کی صنعت و حرفت کو ترقی

دی تھی، اس کی تجارت کو چمکایا تھا، اس میں علوم وفنون کے چشمے جاری کئے تھے، اور اپنی آن تھک کوششوں سے ہندوستان کا نام اس وقت کی معلومہ دنیا میں روشن کر دیا تھا۔ مگر آریہ فاتحین نے ملک کے ان جائز اور حقدار وارثوں کو بغیر کسی قصور اور گناہ کے اتنا دبایا، تنگ کیا، ستایا اور مظالم کی چکی میں پیسا۔ کہ وہ محض اپنی آزادی بحال رکھنے کی خاطر اپنی ہری بھری کھیتیاں، اپنے سرسبز وشاداب مرغزار، سدا بہار چمن، اور آباد اور پُر رونق شہر بادل ناخواستہ آہیں بھرتے اور سینہ کوبی کرتے ہوئے چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ اور آخر کار کوہ وندھیاچل کو پار کرکے کہیں دور دکن میں جا پناہ لی۔ اور جو مظلوم اور ستم رسیدہ بھاگ نہ سکے۔ اُنہیں آریوں کا محکوم وغلام بن کر رہنا پڑا۔ اور داس وشودر نام رکھوایا۔ مگر افسوس کہ ان ہوشربا اور قلب پاش واقعات کا علم رکھتے ہوئے بھی آج ان غیر ملکی آریوں کی اولاد کی طرف سے مسلمانوں پر تنگ دلی وظلم کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی بے بنیاد!

پنڈت جناردھن بھٹ ایم۔ اے کا اقبالی بیان

اور یہ ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ خود اُن آریوں کی اولاد کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا ہے۔ کہ واقعی ان کے آباؤ اجداد نے ایک نہایت ہی مہذب۔ تعلیم یافتہ، ترقی پسند اور ملک کی اصل وارث قوم پر ظلم روا رکھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

"ایک زمانہ تھا۔ جب آریوں کے یہاں آنے سے قبل اس ملک میں دراوڑوں کی طوطی بولتی تھی۔ ان کی تہذیب اونچی تھی۔ ان کا دھرم ترقی یافتہ تھا۔ ان کا لٹریچر اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ان کی زبان شُستہ تھی۔ الغرض ہر ایک بات میں وہ اس زمانہ کی دیگر اقوام سے ٹکر لیتے تھے۔ آریوں سے انہوں نے بہت دنوں تک مقابلہ کیا۔ مگر

آخرکار وہ آریوں سے ہار گئے۔ اور دکن میں جاکر آباد ہو گئے؟"

(رسالہ سُدھا لکھنؤ جنوری ۱۹۲۹ء ص۹۲)

شری سوامی بودھانند جی مہاستھویر کا بیان

سوامی جی مہاراج نے اپنی کتاب میں بہت سے وید منتر درج کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ :-

"مندرجہ بالا منتروں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آریہ لوگ اپنے مخالفوں کو جڑ بنیاد سے کاٹ ڈالنے، اُن کی دولت، چوپائے، زمین اور قلعے چھین لینے پر ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ اور وہ انہیں پہاڑوں پر سے دھکیلتے، ان کی کھالیں کھینچتے، اور اُن کی حاملہ عورتوں تک کو مار ڈالتے تھے۔ وہ اُن کے شہروں اور قلعوں کو برباد کرتے اور انہیں جلا دیتے تھے۔ یہ سب ان کی دشمنی کے روشن ثبوت ہیں"

(بھارت کے مول نواسی اور آریہ ص۳۴)

آریوں کا جینیوں اور بودھوں سے بہیمانہ سلوک

یہ تو بہت پرانی باتیں ہیں چند صدیں کی بات ہے۔ کہ یہاں بودھوں اور جینیوں کی حکومت تھی۔ اور جو کہ ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ جب آریوں نے زور پکڑا۔ تو بودھوں اور جینیوں کی جو حالت ہوئی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ جسے اگر تفصیل سے لکھا جائے۔ تو کئی مجلات تیار ہو جائیں۔ مگر اس مختصر سے رسالہ میں اتنی گنجائش کہاں؟ اس لئے نمونۃً دو تین حوالجات درج کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ خود معترضین کے آباؤ اجداد نے محض مذہبی اختلاف کے باعث بودھوں اور جینیوں سے کس قدر بہیمانہ سلوک روا رکھا۔ اور اتنی قساوت قلبی سے کام لیا۔ کہ آج بودھ مذہب کا یہاں نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ اور دنیا حیران ہے کہ وہ کروڑوں بودھ اور

جین کہاں سے آئے اور کدھر گئے؟ ان کا مذہب اور لٹریچر کیا ہوا؟ اور ان کی تہذیب اور زبان کا کیا حشر ہوا؟

بے گناہ جینیوں پر آریوں کے جگر فگار مظالم

چونکہ بودھوں سے جینی پہلے ہوئے ہیں۔ اس لئے پہلے انہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگوں نے ملک کی کس قدر خدمت کی۔ بھارتی لٹریچر میں کتنا قیمتی اضافہ کیا۔ امن اور خوشحالی کے لئے کیا کچھ کیا؟ اس کے متعلق پھر کبھی بتلائیں گے۔ اس وقت صرف یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اتنے متحمل مزاج، نرم خو اور پُرامن تھے۔ کہ چیونٹی تک کو تکلیف دینا پاپ سمجھتے تھے۔ چہ جائیکہ اپنے آریہ محکوموں پر کوئی سختی روا رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں کوئی ایسی سند نہیں ملتی جس سے ظاہر ہو کہ جینیوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں آریوں پر کوئی سختی کی ہو۔ مگر چونکہ یہ امن پسند، رواداراور بے ضرر ہوتے ہوئے بھی ویدک دھرم کی بعض رسومات یگیہ وغیرہ کو بُرا سمجھتے تھے۔ اس لئے آریہ اُن کے دشمن بن گئے۔ اور اس مخالفت کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ جہاں ان کی حکومت خاک میں مل گئی۔ وہاں ان کی تمام عظمت، سطوت، شوکت و حشمت بھی جاتی رہی۔ یہی کیوں یہ خود بھی مٹ مٹا گئے۔ اور اب اُن کروڑوں جینیوں میں سے چند لاکھ جینی ملک میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آریوں نے اُن سے کس قسم کا سلوک کیا اور یہ کس طرح اس زبون حالت کو پہنچے۔ اس کے متعلق ایک ویدک دھرمی فاضل کا ہی بیان پڑھ لینا کافی ہوگا۔

مہرشی شیو برت لال ایم۔ اے کا رقت انگیز بیان

صاحب موصوف جو اوائل عمر میں کٹر آریہ سماجی بھی رہ چکے ہیں۔ اپنی کتاب "جین دھرم" میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"جب جینیوں نے علمی میدان میں آن کر قدم جمایا۔ اپنے لئے ایک

اور نئی دقت جس سے کشمکش میں اضافہ ہو گیا یہ پیدا کی کہ وہ ہندوؤں کی طرح اپنی کتابوں کے حوالے پیش کرنے کے عادی ہو گئے۔ اُس وقت ہندوؤں نے ان کو بدنام کرنے کی دوسری تدبیر سوچی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ چونکہ یہ ویدوں کی نندا (مذمت) کرتے ہیں۔ اس لئے ناستک ہیں...... اس نندا کی وجہ سے ہندوؤں کو اُن کے بدنام کرنے کی اور تدبیر ہاتھ آئی۔ ایشور کو تو انہوں نے ایک طرف کیا۔ کیونکہ کئی ہندو فلسفے عوام کے نقطۂ نگاہ سے ایشور کے معاملہ میں مختلف الرائے ہو گئے۔ اس لئے "ناستکو ویدنندکہ" (جو وید کی نندا کرے وہ ناستک ہے) ان غریبوں کے ستانے، بدنام کرنے اور ان کے تنگ کرنے کا یہ نیا آوزار گھڑا گیا۔ جو یقینی کامیابی کے لئے بے خطا ثابت ہوا۔ عوام کو ورغلایا اور بہکایا گیا۔ اور اُس کا نتیجہ اس قدر دلخراش ثابت ہوا۔ کہ جس کے لئے آج تک شرم و حجاب سے ہندوؤں کو سر اٹھانے کا موقعہ ہاتھ نہیں آتا۔

...... شاسترارتھ ہوئے، بحث مباحثہ کی نوبت آئی، مناظرہ و مجادلہ کی ٹھہری۔ اب دونوں پہلوان اہل کتاب ہو گئے تھے۔ کتابوں کی لڑائی ہونے لگی۔ جوگی جوگی کھپروں سے لڑے۔ اگر کھپروں ہی تک کی لڑائی ہوتی تب بھی غنیمت تھا۔ اس کتابی جنگ کا نتیجہ کیا ہوا۔

.... جینی شاسترارتھ (مباحثہ) کہنے والے بالعموم بے خوف اور معصوم یتی (ریاضت پسند) ہوا کرتے تھے۔ جو انضباطِ نفس کی مجسم تصویر بنے ہوئے سامنے آتے تھے۔ دوسرا مخالف (آریہ) گروہ اُن کے برعکس تھا۔ وہ رقابت اور حسد کی آگ سے مشتعل رہتا تھا۔

جب اس کا کوئی داؤں پیچ نہ چلا، کھسیانا ہوگیا۔ تو سب کی زبان سے متفقہ فتویٰ برآمد ہوا۔ کہ "ان کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہوں میں ڈال کر جلادو۔ ان کی تمام کتابیں چھین کر دریا میں غرق کردو"

بھائی۔ اس وحشیانہ فتویٰ کی ضرورت کب تھی اِشاستر ارتھ کا مقصد تو سچائی کا اظہار ہونا چاہیئے تھا۔ تم اپنی کہو۔ دوسروں کی سُنو۔ کہو سُن کر عقل سے کام لو۔ اور اُسی کے موافق فیصلہ نافذ کرو۔ یہ نہیں ہُوا۔ اُدھم مچانے کی سُوجھی۔ اور ہندوستان میں پھر دوبارہ دوسری صورت میں اُسی قسم کے محاربات پیش آئے۔ جو زمانہ نے پرسرام جی مہاراج کے عہد میں دیکھا تھا۔ صورتیں جداگانہ تھیں یہاں ایک طرف نہتے، بے کس، بے بس اور معصوم جینی تھے دوسری طرف تمام ظلم وستم کے اوزاروں سے مسلح مخالف گروہ تھا اگر لڑائی ہوتی تو پہلے جیسی ہوتی۔ جس میں براہمن اور کشتری دونوں خم ٹھونک کر مقابلے پر تُلے بیٹھے تھے۔ اور یہاں تو نفس کُش ہغانی الحقیقت گروہ سچائی کی شہادت دینے کے لئے آیا تھا۔ اُسے مارا تو کیا مارا۔ اور مار کر کیا کیا!

کسی مُردے کو اے بیدادگر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر گیا ہو اُس کو دھر مارا تو کیا مارا

ملک کے اِس سرے سے اُس سرے تک بے تمیزی کا آتشکدہ مشتعل ہوگیا۔ یہ سُنا کرتے تھے۔ کہ اکثر لوگ دشمنوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یہاں نئی اُپیج کی سوجھی۔ معصوم، انسانی ہمدرد، تمام موجودات کی محبت کا دم بھرنے والے انسان زندہ در آتش

کر کے خشک ایندھن کی طرح سوخت کر دیتے گئے۔ یہ بھی کوئی دھرم ہے۔ کیا یہ ایشور کا آئین ہے۔ کیا یہ انسانیت ہے ؟

ہندو (آریہ) آج بڑے سیدھے سادے بنتے ہیں۔ کیا یہ مظالم کے کارنامے اُن کو یاد نہیں ہیں۔ غیر قومیں غیر قوموں کو ہلاک کرتی ہیں۔ ہندو، ہندو کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ اُدھر اکیس[۲۱] مرتبہ کشتریوں کا بے رحمانہ قتل عام ہوا۔ کشتری نسل کی بیخ کنی کی گئی۔ اُدھر عام طور پر وہی برتاؤ جینیوں کے ساتھ ہوا۔ جو معصوم محض تھے۔

شرم ! شرم !! شرم !!!
چھی ! چھی !! چھی !!!

ظلم کی حد ہو گئی۔ تیمور لنگ اور نادر شاہ کے قتل عام کی ان واقعات کے سامنے کیا حقیقت ہے ؟ جینی بے رحمی سے مارے گئے۔ یہی سلوک بودھوں کے ساتھ ہوا۔ بودھ یا تو غائب ہو گئے یا اُنھوں نے تبت کے پہاڑوں کی طرف بھاگ کر جان بچائی...
(قتل عام کے بعد) اب جینیوں کے گرنتھوں کی باری آئی۔

"لُوٹو ! چھینو !! ان کی ایک کتاب بھی نہ رہنے پائے۔ غارت کرو ! معدوم کرو !! کتب خانے برباد کر دو۔ نہ گرنتھی گرنتھی نہ ہونے پائیں" یہ ہیبت ناک صدا ہر چہار طرف سے بلند ہوئی۔ جینی جانتے تھے کہ یہ بلا اُن پر نازل ہو گی۔ جہاں تک ممکن تھا۔ تہ خانوں کے اندر کتابیں دفن کر دیں۔ لیکن ایک عام طوفان بے تمیزی کا مقابلہ اِنے گنے آدمی کب تک اور کیسے کرتے۔

جو ہونا تھا وہ ہوا۔ تمام کتابیں کشتیوں میں بھر بھر کر دریا میں ڈبا دی گئیں۔ الخ"

(جین دہرم صفحہ ۳۰ تا ۳۵)

"اس جنگ بے تمیزی کا نتیجہ جینیوں کے لئے سخت مضر اور زہریلا ثابت ہوا۔ جینی زبردستی تبدیل مذہب کے لئے مجبور ہوتے"

(")

آریوں کے بودھوں پر سینہ فگار مظالم

یہی نہیں اسی رنگ کی اور بھی آریوں اور ویدک دھرمیوں کی اقبالی شہادتیں درج کی جا سکتی ہیں۔ جن سے آریوں کی "رواداریاں"، "وسعت قلبیاں" اور "بُردباریاں" اور "حلم و مسالمت" کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ تاریخ ہند کا یہ خونی باب سارے کا سارا دوہرایا جائے۔ اس لئے یہاں ویدک دھرمیوں کی چند اقبالی شہادتیں بودھوں پر کئے گئے "سلوک" کے متعلق لکھنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ تاکہ ناظرین معلوم کر سکیں۔ کہ اسلام پر جبر و تشدد کا الزام لگانے والے، رواداری کے علمبردار مسلمانوں پر بے بنیاد طعن کرنے والے خود کیا کچھ کر چکے ہیں۔ اور اب بھی جہاں جہاں ان کو اقتدار حاصل ہے کیا کچھ کرتے رہتے ہیں۔

بودھوں کا قتل عام

سوامی دیانند جی مہاراج کے شاگرد پنڈت بھیم سین جی اٹاوی نے اپنے ماہوار رسالہ براہمن سَرو سو جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۱۶ میں بحوالہ کتاب شنکر دگ وجے (ظفر نامہ شنکر آچاریہ) لکھا ہے کہ:۔

"جب آریوں اور بودھوں و جینیوں کے درمیان مباحثہ اور مباہلہ ہوا۔ تو اُس وقت مشہور راجہ سُودھنوا کے تمام شکوک رفع ہو گئے اور وہ ویدک دھرمی بن گیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے ملازموں کو مخالفین کے

کے مارنے کا تاکیدی حکم دیا۔ کہ ہمالیہ سے لے کر سیتو بندھ رامیشور، تک ناستکوں اور بودھوں کے جس قدر بچے، بوڑھے، جوان ملیں اُن سب کو مار ڈالو۔ اور اگر کوئی میرا ملازم ناستکوں (بودھوں) کا ناش نہ کرے گا۔ تو ایسی حالت میں اس کو بھی سزائے موت دی جائیگی۔"

چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ اور پوری سرگرمی و مستعدی سے عمل ہوا ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اس خونی حکم کا نتیجہ کیا نکلا ہوگا۔ اور بودھوں پر کیا کچھ گذری ہوگی؟ جن کا قصور محض یہ تھا۔ کہ وہ آریہ نہیں تھے، ویدوں کو نہیں مانتے تھے۔ یگیہ وغیرہ پر اُن کا اعتقاد نہیں تھا۔

خود سوامی دیانند جی مہاراج بھی اقبالی ہیں۔ کہ اس راجہ سُودھنوا نے جہاں غیر آریوں کو مروا ڈالا وہاں اُن کے مندر اور بُت توڑ کر دھرم سالہ اور پاٹھ شالائیں بنوا دیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں:—

غیر آریوں کے بُتوں کا انہدام

"یعنی اب جتنے بُت جینیوں کے نکلتے ہیں۔ وے شنکر آچاریہ کے وقت میں ٹوٹے تھے۔ اور جو بغیر ٹوٹے نکلتے ہیں وے جینیوں نے خود زمین میں گاڑ دئے تھے کہ توڑے نہ جائیں۔" (ستیارتھ پرکاش ص ۳۲۵)

اگنی کُل کے چار شہزادوں کے ہاتھوں بودھوں کا قتل عام

سوانح عمری مہاراجہ بکرماجیت اعظم کا مصنف بتلاتا ہے۔ کہ اگنی کُل کے چار شہزادے جن کو اینگارشی نے بودھوں کے تباہ کرنے کے لئے جب اُکسایا۔ اور انہوں نے بھی بُدھ مذہب کو نیست و نابود کرنے کا حلف اُٹھایا۔ تو اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ درج ذیل ہے:—

"اِن چار سُورویروں نے مشترک حالت میں دشمن کا مقابلہ کیا۔

بلا خوف وخطر (چینتو) پنڈارے کی طرح ابودھیوں کی راجدھانیوں پر چڑھائی کردی۔ پیارے ناظرین! یہ صدی بڑے انقلاب کی تھی چنانچہ بودھوں نے جہاں تک ممکن تھا۔ اپنے دھرم کی رکھشا اِن نئے دشمنوں کا مقابلہ کرکے کی۔ لیکن ان کا ملک بہت جلد تاخت و تاراج ہوگیا۔ اور بُدھ راجوں نے شکست پائی۔ حتّٰی کہ خود دشمنوں کے ہاتھوں میں پڑگئے جنہوں نے طرح طرح کے عذابوں اور تکلیفوں سے اُنہیں مار ڈالا۔ اور ویدک دھرم کا پرچار کیا۔ مگر نہ ویدک دھرم کے خلاف چُپ چاپ بودھ دھرم ہندوستان میں پھیلا۔ اور نہ امن کے ساتھ اس کا ناش ہوا۔ کیونکہ بودھ دھرم اور ویدک دھرم کی کشمکش میں جیسی کچھ خونریزیاں بودھ دھرم کے عروج پر ہوئیں۔ ویسی ہی بلکہ ان سے زیادہ بودھ دھرم کے مغلوب کرنے پر آریہ ورت سے اس کا نام ونشان مٹا دینے کے وقت بھی ہوئیں۔ چنانچہ ہزارہا مخلوق خدا راجوں مہاراجوں کا اس خانہ جنگی میں ناش ہوا۔ ہزاروں خاندان تباہ ہوگئے۔ سینکڑوں خانمان برباد ہوگئے۔ بہتسوں نے سُولی پائی، قتل ہوئے۔ پھونکے گئے، صدہا جلاوطنی کی حالت میں دلیش بدر کئے گئے۔

لیکن ان ایشروادی (آریوں کے) دھرم کے ماننے والے چھتریوں نے واحدانیت کی تعلیم پھیلانے کیلئے جو جو کارنمایاں کئے۔ ان کے حالات پورانوں سے بخوبی ظاہر ہیں۔ انہوں (آریوں) نے آریہ ورت کے تمام حصوں کو جہاں جہاں بودھ لوگوں کی حکومت

تھی، تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ اور چند سالوں تک ایسا ہی کرتے رہے۔ پس جہاں بودھوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے آگ تلوار کی مار سے اُن کے علاقوں کو برباد کر دیا۔"

(سوانح عمری بکرماجیت اعظم ص۸ تا ۱۲)

سندھ میں بودھوں کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ اور اُن کی حق تلفی

آریہ سماجی لیڈر بھائی پرمانند اپنی کتاب تاریخ راجستھان میں سندھ کی بودھ حکومت پر براہمنوں کے غاصبانہ قبضہ کا ذکر کرتے ہوئے آریوں کی عدم رواداری کا یاں الفاظ اقرار کرتے ہیں۔ اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ :۔

"ہرش (جو بودھ تھا) کے زمانہ میں موریہ خاندان کی ایک شاخ کا راجہ سندھ پر حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کی ایک شاخ چتوڑ میں حکمران تھی۔ سندھ کے راجہ کا نام ساہسی تھا۔ ہرش کے زمانہ میں یہ سب راجہ اور ان کی پرجا بُدھ دھرم کے ماننے والے تھے ۶۵۰ء کے قریب ساہسی راجہ بیمار ہو کر گذر گیا۔ اس کے بعد اس کے براہمن وزیر چچ نے راج پر قبضہ کر لیا۔ اس شخص نے راجہ کی رانی سی شادی کر لی۔ یہ چچ بڑا پکا ہندو تھا۔ اور اس کی تخت نشینی سے سندھ کے مذہب میں ایک انقلاب ہو گیا۔ اس (براہمن راجہ) نے لوہانوں اور جاٹوں کے متعلق (جو بُدھ تھے) کئی ایسے قانون بنائے جن سے اُن کے حقوق چھین لئے۔ اُن کو ریشم کے کپڑے پہننے بند کر دئے۔ اُن کو ننگے پاؤں اور ننگے سر جانے کا حکم دیا۔ اور گھوڑوں پر سواری کرنے کے بغیر زین کے چڑھنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ وہ براہمن آباد کے راجہ کے ہاں جلانے کی

لکڑیاں پہنچایا کریں۔ جاٹوں اور لوہانوں کو اس طرح کھشتریوں سے علیحدہ تمیز کرنے کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بدھ دہرم کے عروج کے وقت میں ذاتوں کی جو تمیز مٹادی گئی تھی۔ اُسے پھر زور کے ساتھ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جاٹ لوگ کھیتی کا کام کرتے تھے۔ اور لوہانے تجارت کا کام کرتے تھے۔ اس لئے انہیں کشتریوں کے حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ الخ" (تاریخ راجستھان صـ۱۲۹)

خدا کے فضل و کرم سے ہم اور بھی بہت سے اقتباس ہندو اور آریہ مصنفین کی کتب و رسائل سے نقل کر سکتے ہیں۔ جن سے آریوں اور ویدک دھرمیوں کی تنگ دلی، قساوت قلبی، دوسروں کے حقوق کا غصب اور عدم رواداری وغیرہ پر دبا ریچ بہت تیز روشنی پڑ سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ یہ مختصر رسالہ ان کے اندراج کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے فی الحال انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک تو ان لوگوں کی "وسعت قلبی" و "فیاضی" اور " اہنسا پرمو دھرما" پر عمل انہی محولہ بالا اقتباسات سے بخوبی ظاہر ہے۔ اب اس کے بالمقابل مسلمان حکمرانوں کا اپنے غیر مفتوحوں اور محکوموں سے کیئے گئے حسن سلوک کا حال بھی پڑھ دیکھئے۔ اور وہ بھی غیروں کی زبانی۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کہ اسلام پر جبر و تشدد کا الزام لگانے والے، مسلمان بادشاہوں کو تنگ دل اور جابر بتلانے والے اپنے بیانات میں کس قدر سچائی لئے ہوئے ہیں۔

شمالی ہند کے مسلم تاجداروں کی عدیم المثال رواداریاں

سو سب سے پہلے ہم اسی سندھ کا ایک واقعہ درج کرتے ہیں - کیونکہ ہندوستان میں سب سے پہلے سندھ میں ہی مسلمان رونق افروز ہوئے - اور یہیں سے ان کی فتوحات کا آغاز ہوا - اور یہی وہ سرزمین ہے کہ جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کی رواداریوں، وسعت قلبیوں، فیاضیوں اور سیرچشمیوں کا مشاہدہ کیا - اور وہ شودر وہ جینی وہ بودھ جو اپنے آریہ فاتحین کی بدسلوکیوں اور قساوت قلبیوں کی بدولت بُری طرح کراہ رہے تھے - سب سے پہلے مسلمانوں کی طفیل اسی جگہ اُن کے دکھوں اور مصیبتوں کا خاتمہ ہوا -

مسٹر چھنی لال آنند کا بیان "وہ (محمد بن قاسم فاتح سندھ) ہندوؤں کی سوشیل اور مذہبی رسومات و اعتقادات کی عزت کرتا تھا - اگرچہ اس نے پیغمبر (صلعم) کے قوانین کے مطابق اُن پر جزیہ لگا دیا تھا - ہندوؤں کو قانون کی ویسی ہی پناہ حاصل تھی - جیسی کہ مسلمانوں کو تھی - ان کی سوشل اور مذہبی انسٹی ٹیوشنوں میں کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی - وہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے - اور اُن کے ایماء پر ان کے ذات پات کے قواعد کو بھی قانون کا درجہ دے دیا گیا تھا - قاسم بت شکن نہ تھا - نہ ہی اُس کے بعد آنے والے

میں سے کوئی تھا۔ توسیع سلطنت کے ساتھ ہندوؤں کے لئے تمام سرکاری دفاتر کھول دئے گئے تھے۔ برہمنوں کو مالگذاری اور کلکٹری کے کاموں پر متعین کیا گیا تھا۔ اور قاسم نے وزارت کا اعلیٰ ترین عہدہ اپنے وقت کے ایک مشہور ہندو فلاسفر مسمی کاکسا کو عطا کیا تھا۔ عربوں کے ماتحت سندھ مذہبی آزادی کی سرزمین تھی۔" (پیغام صلح ۵۵/۱ ص۳)

وہ لوگ جو مسلمانوں کو اسلامی ریاستوں اور اسلامی صوبوں میں حکمرانی کے حق سے محروم رکھنے کے لئے یہ پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں کے آباؤ اجداد تنگ دل، جابر اور غیر بُردبار تھے۔ اس لئے یہ حکمرانی کے اہل نہیں وہ دیکھیں اور سندھ کے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر بتلائیں۔ کہ جو کچھ براہمنوں نے سندھ کے بودھوں سے کیا۔ کیا مسلمانوں نے بھی اپنی غیر مسلم رعایا سے وہی کچھ کیا؟ اگر مسلمان بھی وہی کچھ کرتے جو آریوں نے بودھوں کے ساتھ کیا تب بھی ان پر آریہ اعتراض نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہاں تک تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ اور چچ اور محمدؐ بن قاسم کے متضاد طرز عمل کو دیکھ کر ہی حق پسند فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ ان دونوں میں سے کون بُردبار، روادار اور کون غاصب اور دوسروں پر جبر و ستم کرنے والا تھا؟

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ آج چچ جیسے ظالم، جیرہ دست اور غاصب کے نام لیوا، محمدؐ بن قاسم ایسے فیاض، روادار اور بے تعصب فرشتہ خصلت انسان کی اولاد کو اُن کے جائز حاکمانہ اختیارات سے محض اس لئے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ انہیں اپنے آباؤ اجداد سے رواداری و بُردباری ورثہ میں نہیں ملی۔

اس کے بعد ہم ایک نہایت ہی متعصب، غالی اور اسلام دشمنی میں بدنام آریہ سماجی اخبار "کیسری" لاہور سے ایک مضمون نقل کرتے ہیں جس کا مطالعہ بتلائے گا۔ کہ مخالفین کا مفتریانہ پروپیگنڈا اپنے اندر کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔

اخبار کیسری کا مضمون

"ہندوؤں کے نظام قانون کے متعلق وارن ہیسٹنگز نے ۲۱ مارچ ۱۷۷۴ء کو لارڈ مینسن فیلڈ کو لکھا کہ :۔

ہندوستان کے پاس وہ قوانین ہیں۔ جن میں قدیم ترین زمانہ سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان قوانین پر عمل کرنے والے سارے ملک ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ اور لوگ اس زبان (سنسکرت) سے نابلد ہیں۔ لوگ ان کو چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اور ان کی اس قدر عزت و حرمت کرتے ہیں۔ کہ بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ ان محافظانِ قانون (براہمنوں) کے اثر و رسوخ میں اسلامی سلطنت نے بھی کوئی کمی نہیں کی۔ اور جو چیزیں ہندوؤں کی روائتی اور مذہبی حرمت کی مرکز ہیں۔ وہ انہی کے قبضہ میں رہنے دی ہیں۔ وارن ہیسٹنگز نے زور دیا کہ عیسائی سلطنت بھی ہندوؤں کے امور میں مداخلت نہ کرے۔ جن میں مسلمانوں نے باوجود خود اس قدر عصبیت پسند اور راسخ الاعتقاد ہونے کے مداخلت نہیں کی۔ ان اقتباسات سے ہندوستان میں حکومت اسلامیہ کے عام رجحان کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی مسلم جنون مذہبی کا ظہور بھی ہوا ہے۔ مگر

ایسے افعال کی ذمہ واری حملہ آور فوج کی قانون شکن روش یا کسی خاص متعصب حکمران کے تعصب پر عائد ہوتی ہو۔ اگر ہم ان استثنائی واقعات کو یاد رکھیں۔ اور یہ بھول جائیں کہ مسلمانوں نے ہندو تمدن کی کس قدر حفاظت کی۔ تو ہمیں یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہندو حکمرانوں نے بھی اپنے زمانہ میں جینیوں اور بودھوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اگر اس جنون مذہبی کی یاد کو لوح حافظہ سے کبھی نہ مٹنے دیا جائے۔ بلکہ اسے فرقہ دارانہ اختلافات کی بنیاد بنا لی جائے۔ تو وہ اخوت انسانی کس طرح ترقی کر سکتی ہے۔ جس کی دنیا میں بہشت بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اسلامی سلطنت جہاں بھی قائم ہوئی ہے۔ اس کا سب سے بڑا اثر تمدنی ترقی پر ہوا ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ قدیم ہندو مسلمانوں کے نہ صرف ماتحت امن و امان سے رہے۔ بلکہ سلطنت کے دست و بازو بنے۔ کسی مسلمان حکمران نے ہندوؤں کے نظام معاشرت، قانون اور مذہب کو برباد کرنے کی ہرگز کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ اگر کبھی لوٹ مچی۔ تو اس کی وجہ بیشتر کسی معرکہ میں مالی ضرورت ہوتی یا ذاتی مخاصمت یا کسی ہندو کا معاندانہ دکھاوا۔ پھر بھی لوٹ کے بعد ہی مال غنیمت اصول تقسیم کے مطابق ہندوؤں ہی کے پاس چلا گیا۔ اگر کوئی مندر ٹوٹا تو معاً اسی جگہ پہلے سے بھی زیادہ عالیشان مندر تعمیر ہو گیا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندو اکثر کہیں کہیں بغاوت بھی کرتے

رہتے تھے۔ جس کے دبانے کے لئے مسلمانوں کو تشدد واستعمال کرنا پڑتا تھا۔ یہ اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان جوانمردی نہیں کھوچکا تھا۔ اور مذہبی جوش۔ اشتعال پذیر طبائع اور مجنونانہ جہالت کا دور دورہ تھا معمولی واقعات تھے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے۔ کہ تاریخ کے صفحات بربریت کی مثالوں کی نسبت روشن دماغی کی مثالیں زیادہ پیش کرتے ہیں۔

قطب الدین ایبک نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ اور التمش اگر ایک طرف ہندو بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ تو دوسری طرف مغلوں کے سیلاب کا سدباب کرنے میں مشغول تھا۔ بایں ہمہ وہ دربار کی شان وشوکت کو اس طرح قائم رکھے ہوئے تھا کہ "ہزار ہا ہندو دُور دراز سے پیدل چل کر شاہی دربار دیکھنے آتے تھے۔" یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہو رہی تھی۔ اور وہ یہاں اجنبی تھے۔

پندرھویں صدی تک مسلمان بالکل ہندوستانی بن چکے تھے اگرچہ بعض ہندو جن کا سیاسیات کی طرف میلان تھا۔ اپنی سیاسی آزادی دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر مختلف مذاہب کی معاشرت اور مذہبی نظام ایسے پختہ ہو گئے تھے کہ مسلمان انہیں خلط ملط کرنے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ مسلمان حکمرانوں کی دسہرے کے جلوسوں میں شرکت اور ہندو وزراء کے محرم کے جلوسوں کے انتظام کرنے کے دل خوش کن نظارے عام ہو گئے تھے۔ الخ" (اخبار کیسری ۹ دسمبر ۲۳ء صفحہ ۱)

اس کے بعد ہم ایک اور متعصب آریہ سماجی اخبار "ملاپ" لاہور سے ایک مضمون درج ذیل کرتے ہیں۔ جس کا مطالعہ بتلائے گا۔ کہ مسلمان حکمران کتنے شریف، نیک دل، رعایا پرور اور روادار تھے۔ اور اپنی ہندو رعایا کی کس طرح دلدہی و دلداری میں لگے رہتے تھے۔ کہ جس کی نظیر انتہائی تلاش پر بھی ہندو تاریخ سے نہیں مل سکتی۔ امید ہے کہ اخبار ملاپ کا مندرجہ ذیل مضمون پوری توجہ اور دلچسپی اور توجہ سے پڑھا جائے گا۔ تاکہ آریہ سماجی پروپیگنڈا کی بطالت پڑھنے والوں پر اچھی طرح واضح ہو جائے۔

آریہ سماجی اخبار "ملاپ" لاہور کا مضمون

"سلطان زین العابدین جسے بوجہ عظمت بڈ بادشاہ کہتے ہیں۔ ایک بے نظیر مسلم حکمران گذرا ہے۔ اس نے کشمیر میں بہت سے صنعت کے کام جاری کئے انہار کو درست کیا۔ زراعت کے ذرائع وسیع کئے۔ اور دیگر کام بہبودئی عام کے لئے رائج کئے۔ وقت آئے گا۔ کہ اس کے مفصل حالات پبلک کے سامنے رکھے جائیں گے۔ اکبر کی ہندو قوم مداح ہے۔ لیکن جب مقابلہ میں دونوں کے کارنامے ظاہر ہوں گے۔ تو غالب ہے۔ کہ بڈ بادشاہ ہندوؤں کی ستائش اور آفرین کا بدرجۂ اولیٰ مستحق ثابت ہوں گے۔ اس کے عہد میں سب سے بڑھ کر جو امن رعایائے کشمیر کو تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس کے وجود میں تعصب اور ظلم و تعدّی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ شیر بکری کے ایک گھاٹ پانی پینے کی مثال اُسی زمانہ پر صادق آتی ہے۔ کیا مجال کہ کوئی شخص کسی سے ظلم تو درکنار سختی سے بھی پیش آئے۔ کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ تھی۔ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہندو کا دل دُکھا سکے۔

بلکہ یہ بادشاہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور ہر ایک مذہب و ملت کی دلجوئی میں ہمہ تن ساعی رہتا تھا۔ سلطان سکندر اور علی شاہ کے زمانہ سے ہندوؤں پر جو ظلم اور سختیاں ہو رہی تھیں[۱]۔ اس نے ان سب کا تدارک بخوبی کر دیا۔ ہندو مذہب کو اُس نے وہ عروج دیا۔ جو (ہندو) راجگان کے وقت میں بھی اُسے نصیب نہ تھا۔ ظلم رسیدوں کو بڑی بڑی جاگیریں اور اعلیٰ مراتب عطا کر کے اُن کے افسردہ دلوں کو تر و تازہ کر دیا۔ جن لوگوں کی جاگیریں غضب الٰہی (سیلاب و زلزلہ) میں آ کر ضبط ہو گئی تھیں، اُن کو واپس دے دیں۔ جو لوگ پہلے وقتوں میں ملک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بعض کو تو سلطان نے خود بُلا لیا۔ اور بعض خود بخود اس کے جود و سخا کا شہرہ سُن کر وطن مالوف کو لوٹ آئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان سے کئی برہمن بھی یہاں آ گئے اور انہوں نے یہیں کی بود و باش اختیار کر لی۔ بعض پنڈت جو سابقہ سلاطین کے عہد میں ملک سیف الدین کے ہاتھ سے زبردستی مسلمان کئے گئے تھے[۲]۔ انہوں نے پھر اپنا دین اختیار کر لیا۔ کسی فاضل یا مفتی کو جرأت نہ ہو سکتی کہ مواخذہ کرے۔ اہل ہنود کی

---

[۱] جن سختیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سکندر شاہ کے وزیر کی وجہ سے ہوئیں۔ جو کہ پیدائشی ہندو تھا۔ اور بعد میں کسی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔
(دیکھو ترجمہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۱۳)

[۲] یہ وہی بے بنیاد فقرہ ہے جو ہندوؤں نے حفظ کر رکھا ہے۔ (احمدی مہاجر)

تمام مذہبی رسومات جو اشاعت اسلام کے بعد بالکل مفقود ہو گئی تھیں۔ پھر زندہ ہوگئیں۔ اس نے فرقہ ہنود کی سرپرستی یہاں تک کی۔ کہ اُن سے ایک تحریر کرالی۔ کہ وہ اپنے (ہندو) مذہب کے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہ کریں گے۔ جن سے اُن کے عقائد میں فرق آئے۔ اور اُن کے مذہب کو ضعف پہنچے۔ یعنی قشقہ بھی لگائیں اور اپنے آپ کو ہندو کہیں۔ اور جو کچھ اُن کی مذہبی کتابوں میں درج ہے۔ اس پر عمل کریں۔ ہندوؤں کے میلوں اور تیرتھوں میں سلطان بذاتِ خود موجود رہتا۔ تاکہ کوئی شخص ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرنے پائے۔ پنڈتوں کے بیٹوں کو عربی فارسی تعلیم والوں کو بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز کیا۔ بعض منادر جو (ایام جنگ میں) منہدم کئے گئے تھے۔ از سر نو تعمیر کرائے۔ مندر زشٹی شور واقعہ کوہ سلیمان کی مرمت کرائی۔ جس میں چار نئے حجری ستون لگائے۔ اور اس کی سقف و گنبد کی بھی مرمت کرکے مستحکم و استوار بنا دیا۔ سلطان زبان دانی میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ ہندی، فارسی اور تبتی زبانیں بخوبی جانتا تھا۔ طب ہندی کو فارسی کا لباس پہنا کر کشمیر میں جاری کیا۔ اور شری بھٹ ایک ہندو طبیب کو طبیب شاہی کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں جو دستبرد میں آگئی تھیں ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں۔ وید شاستروں، پُرانوں اور بہت کتھا کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ہندو مسلمانوں کے دلوں سے ذاتی بُغض و عناد کی جڑ

کاٹ دی۔ جس کا اثر آج تک (کشمیر کے) دونوں فریقوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی موجودہ زمانہ میں بھی کشمیری ہندو و مسلمانوں کے تعلقات اور برتاؤ دوسرے ممالک کے لئے بھی قابل رشک ہیں۔

انہی ایام میں سلطان کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے وہ سخت لاچار ہوگیا۔ آخر جب حکیم شری بھٹ کے معالجہ سے اُسے صحت ہوئی تو اُس نے حکیم موصوف کو انعام دینا چاہا۔ لیکن اُس نے کسی قسم کا نقدی انعام لینے سے انکار کر دیا۔ اور درخواست کی۔ کہ میری قوم کو زر جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس کی یہ درخواست پایۂ قبولیت کو پہنچی۔ اور لوگ جزیہ کی مصیبت سے آزاد ہوگئے۔ سلطان نے ایک ہندو برہمن کو وزیر تعلیمات مقرر کیا۔ مندروں کے اخراجات کے لئے جاگیریں عطا کیں۔ اور سلطان کے حکم سے ہر مندر کے ساتھ ایک پاٹھ شالا (مدرسہ) بھی تعمیر کی گئی۔ جن میں ہندو ودیارتھی (طلباء) آزادی سے اپنا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ دارالترجمہ کا افسر اعلیٰ بھی ایک براہمن کشمیری تھا۔ جس کے ماتحت بڑے بڑے قابل مسلمان تھے۔

..... سلطان نے ہندوؤں کے ساتھ ایک اور رعایت یہ کی۔ کہ ان کے قومی اور مذہبی مقدمات کے انفصال کے لئے ہندو جج مقرر کئے۔ گاؤکشی جو عہد اسلامیہ سے جاری ہوگئی تھی۔ اور سلطان سکندر اور علی شاہ کے زمانہ میں زور پر تھی۔ اس ہر دلعزیز، امن پسند اور رحم دل بادشاہ نے اسکی مخالفت کے احکام جاری کر دئے۔

نہ صرف یہی کیا۔ بلکہ رسم ستی کو بھی جو ہندوؤں میں قدیم الایام سے چلی آتی تھی۔ اور سابقہ سلاطین کے وقتوں میں بند کر دی گئی تھی۔ ہر چند کہ زین العابدین بھی اس رسم کے اجراء پر راضی نہ تھا۔ اور ستی کو ایک صریح ظلم سمجھتا تھا۔ لیکن صرف ہندوؤں کی خاطر سے اس رسم کو پھر جاری کر دیا۔ جس سے جملہ اہل ہنود اس کے ازبس احسان مند ہو گئے۔ شکار کی ممانعت تھی۔ کیونکہ رعایا کا ایک کثیر حصہ اس کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔ بعض بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر گوشت بھی نہیں کھاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے دربار میں بہت سے کشمیری پنڈتوں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے۔ بلکہ جگنا تھ جی سے لائق وفائق ویدانت کے عالم وفاضل برہمن اور کورہ چھتری عامل وکامل بلائے جو معقول مشاہروں پر تھے۔ جن کی قدر ومنزلت مسلمان درباریوں سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ اور ان کی صحبت سے اکثر مستفید ہوتا رہتا تھا الخ" (اخبار ملاپ لاہور ۱۰ نومبر ۱۹۲۳ء)

یہی نہیں اسی قسم کی روشن، تابناک اور محیر العقول رواداریوں کی مثالیں تاریخ اسلام میں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ جن کا اعادہ اس مختصر رسالہ میں محال ہے۔ مگر انصاف پسند پبلک انہی مثالوں سے اندازہ لگا سکتی ہے۔ کہ جس قوم کے حکمران ایسے شریف، رحمدل، غمگسار، ہمدرد، رعایا پرور اور حد اعتدال سے بڑھ کر روادار تھے۔ اس قوم کے عمائد پر تعصب و تنگدلی یا ظلم اور جبر کا الزام لگانا کس قدر قبیح و شنیع فعل اور کھلا کھلا ظلم اور عدوان ہے؟ جب خود غاتی، اور کٹر آریہ سماجی بھی مسلمان حکمرانوں کی بے نظیر اور فقید المثال رواداریوں کا

اقبال کیتے ہیں۔جیساکہ محولہ فوق اقتباسات سے عیاں ہے۔تو ایسی حالت میں اگر ہم یہ کہیں تو قطعاً غیر مناسب نہ ہوگا۔کہ معترضوں کا۔اسلام پیغمبر اسلام اور شاہان اسلام پر ناگفتنی اعتراض کرنا، بے بنیاد اتہام لگانا اور شر انگیز اور منافرت آمیز بہتان باندھنا محض اس غرض سے ہے۔کہ جس طرح اور جیسے بھی ہو۔شریف اور ریڈیکل ہندوؤں کو، حکمران قوم کے لوگوں کو، مہذب دنیا کے باشندوں کو اسلام، شارع اسلام اور اہل اسلام سے متنفر و بیزار کر کے انہیں آمادۂ مخاصمت کر دیں۔تاکہ مسلمانوں کو کہیں بھی امن وچین سے رہنے اور پنپنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

مگر چونکہ اس قسم کا پروپیگنڈا کسی حقیقت پر مبنی نہیں۔بلکہ اس کی بنا عداوت، مخاصمت اور ظلم پر رکھی گئی ہے۔اس لئے ہم معاندین اسلام کے پروپیگنڈا کی رذالت و بطالت ثابت کرنے کے لئے ذیل میں چند اور بھی آریہ سماجی اور ویدک دھرمی اہل قلم کی اقبالی شہادتیں درج کرتے ہیں۔تاکہ جو کچھ ہم نے شروع میں کہا ہے۔اس کی صداقت کما حقہٗ آشکار ہو جائے۔اور دنیا جان لے۔کہ شاہان اسلام پر تنگ دلی و عدم رواداری کا الزام لگانا معترضوں کا کھلا کھلا افتراء اور بہتان ہے۔

اب آریہ سماج کے مشہور لیڈر، اور مہاسبھا کے سرگرم کارکن لالہ لاجپت رائے جی کی رائے پڑھئے۔لالہ جی فرماتے ہیں۔کہ:—

لالہ لاجپت رائے جی کا اقبالی بیان "مسلمان اچھے تھے یا برے تھے انہیں ایک بات تو تھی۔اور وہ یہ کہ انہوں نے ہندوستان کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔یہ ہندوؤں پر بھروسہ رکھتے تھے۔انکو اعلیٰ ترین عہدوں پر مامور کرتے تھے۔کبھی قومی نفرت ان کی

کارروائی کی محرک نہ ہوتی تھی۔ سوائے چند ناخوشگوار واقعات کے جو مذہبی جوش کے باعث ظہور پذیر ہوئے۔ مسلمان بادشاہ ہندوؤں کو ہر طرح سے مسلمانوں کے ہم رتبہ سمجھتے تھے"

(اخبار بندے ماترم لاہور ۷ رجولائی ۱۹۲۶ء صلا)

ایک ہندو فاضل کی رائے لالہ جی موصوف نے ایک اور ہندو کا مضمون اپنے اخبار بندے ماترم میں شائع کیا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ :-

"مسلمان بادشاہوں نے ہندوستانیوں کے جذبات اور اختیارات کو غارت نہیں کیا۔ باوجود تلوار کے زعم کے منصف مزاجی اور رحمدلی سے حکومت کی۔ انہوں نے اپنے دوران حکومت میں ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دئے۔ اکبر کا جانشین ایک ہندو استری کے بطن سے پیدا ہوا۔ ان کی عملداری میں صیغہ مال کا وزیر راجہ ٹوڈرمل اور وزیر بیربل تھے۔ جہاں کہیں مسلمانوں نے سلطنت کی۔ انہوں نے اپنے ہندو بھائیوں کو بھی گلے لگایا! انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ مسلمانوں سے ہی سب جگہیں پُر کر کے ہندوؤں کے حقوق قطعی پامال کر دئے ہوں یہی وجہ تھی کہ ملک میں کسی قسم کی بے چینی، دُکھ اور قحط وغیرہ نہ تھے"

(بندے ماترم ۸ ارمئی ۱۹۲۶ء ص۲)

مسٹر مکندی لال بی اے بیرسٹرایٹ لاء "آج کل کے مغربی علماء ہندوستان کے اس زمانہ کا مقابلہ موجودہ ترقی یافتہ ممالک سے کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس وقت کے ہندوستان کا مقابلہ اُسی زمانہ کے یورپ سے کریں۔ تو پروفیسر ایشوری پرشاد کے الفاظ

میں ہمیں ناظرین کو یاد دلانا ہوگا۔کہ" اس وقت یورپ میں رومن کیتھولک لوگوں نے بڑے بڑے ظلم اور سفاکیاں کیں۔خیالات کی آزادی اور مذہبی حریت کا تو گلا ہی گھونٹ دیا گیا تھا۔مگر مسلمان اس بات میں مغربی اقوام سے کہیں اچھے تھے۔جس وقت سپین کے بادشاہ فلپ دوم نے اعلان کیا تھا۔کہ آزادخیال" ہیرے مانک" لوگوں پر حکومت کرنے سے حکومت نہ کرنی ہی اچھی ہے۔جس وقت ولایت میں مہارانی ایلزبتھ آئرلینڈ کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو تنگ کر رہی تھی۔اُن پر ظلم وستم ہو رہے تھے۔اس وقت شیر شاہ اور اکبر جیسے مسلمان بادشاہ مذہبی بُردباری اور رواداری سے کام لے رہے تھے۔اور غیر مذاہب اور غیر مسلم اقوام میں باہمی میل ملاپ کا جذبہ پیدا کر رہے تھے۔اسلامی حکومت کے زمانہ میں آج کل کی طرح ہندوؤں کی بہادری اور مردانگی مفقود نہ تھی۔ہندو راجے، سردار اور زمیندار (بعض اوقات) لڑتے بھی تھے۔مگر ملک کی دولت ہمیشہ ملک ہی میں رہتی تھی۔مسلمان بادشاہ کس قدر بھی کیوں نہ عیاش اور فضول خرچ ہوں۔مگر پھر بھی جو کچھ خرچ کرتے تھے۔وہ سب ملک میں ہی رہتا تھا۔ہندوستان کی بے شمار دولت لُٹ جانے پر بھی اس وقت مدار زندگی ملک میں کافی تھی۔اور ملک شکھی۔دھن دھان سے معمور تھا۔اور یہ جو کہا جاتا ہے۔کہ اس زمانہ کے مسلمان حکمران اور بادشاہ غیر مہذب اور لٹیرے تھے۔بالکل جھوٹ ہے۔

اس زمانہ میں بلبن اور علاؤ الدین خلجی جیسے حکمرانی کے اصولوں سے واقف اور ہمہ صفت موصوف پیدا ہوئے۔ علم دوست فاضل محمد تغلق اور ابراہیم شاہ شرقی اور امن پسند حکمران ناصر الدین تغلق اور رانغ خاں جعفر خاں ملک کافور جیسے کئی ایک بہادر اور جرنیل بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوئے۔ ہندوؤں کے آخری زمانہ کے سب بڑے مصلح رامانند چیتن کبیر اور نانک، جنہوں نے قوم اور مذہب کی کایا پلٹ دی اس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ جس قوم میں ایسے دیندار مذہبی ریفارمر کلجگ میں بھی پیدا ہوں۔ وہ قوم تنزل کو پہنچی ہوئی قوم نہیں کہلا سکتی جس ملک میں حاکمانہ اختیار کھو بیٹھنے پر بھی ایسے روحانی مرد پیدا ہوں۔ وہ ملک مستقبل سے خالی نہیں ہو سکتا جس حکومت میں ایسے آزاد خیالات کی اشاعت اور اس کی تعلیم دینے والے پیدا ہوں۔ اور نئے روادار مذاہب کا ظہور ہو۔ اس (اسلامی) حکومت کو رعایا کو دکھ دینے والی، مذہب کی دشمن، غیر مہذب اور جابر کہنا۔ گویا تواریخی واقعات پر پردہ ڈالنا ہے الخ" (سرسوتی الہ آباد)

اس کے بعد ایک اور ویدک دھرمی مصنف کی تحقیق سن لیجئے:-

مہاشہ سکھ سمپتی رائے بھنڈاری کی تحقیق

"مسلمانوں میں کچھ بادشاہ ایسے گذرے ہیں۔ جن کا عہد حکومت اگرچہ بہشتی نہ تھا۔ مگر پھر بھی قابل تعریف تھا انہوں نے ہندو مسلمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا۔ انہوں نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اتنا فرق روا نہیں رکھا تھا۔ جتنا کہ آج کل

ہندوستانی اور انگریز کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے بڑے بڑے عہدوں پر ہندوؤں کی تقرریاں کی تھیں۔ فوجوں کے سپہ سالار اور کمانڈر انچیف تک ہندو ہوتے تھے۔ وہ ہندوؤں کو اپنا سمجھنے لگے تھے۔ تفرقہ کی خلیج بہت کم گہری تھی۔ حال ہی میں ریاست بھوپال کے پورانے کاغذات میں سے بادشاہ بابر کی اپنے بیٹے **ہمایوں** کے نام لکھی ہوئی ایک چٹھی ملی ہے۔ اُس میں انہوں نے اُسے نصیحت کی تھی۔ کہ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے رعایا ناخوش ہو ۔ اور ہندوؤں کا دل نہ دُکھے۔ رعایا کی خوشنودی پر ہی سلطنت کی بنیاد مضبوط ہوسکتی ہے۔

بادشاہ اکبر نے تو ہندوؤں کو خوش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ شہنشاہ اکبر کی پالیسی فراخ دلی پر مبنی اور سب کو فائدہ پہنچانے والی تھی۔ انہوں نے بادشاہوں کے فرائض یوں بیان کئے ہیں :-

" بادشاہ بھلائی کی جڑ ہے۔ ہر ایک کام کی کامیابی کا انحصار اُسی پر ہے۔ قابلیت کی قدر کرنا اور منصفانہ حکومت کے ذریعہ خدا کا شکریہ ادا کرنا اس کا فرض ہے۔ بادشاہوں کو ایسے ہی کاموں کے ذریعے خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔ ظالم ہونا سبھی کے لئے نامناسب ہے۔ بادشاہ دنیا کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ظالم ہونا نہایت ہی قابل نفرت بات ہے۔ جھوٹ بولنا کسی کیلئے بھی مناسب نہیں۔ رعایا جتنی رحم سے قابو میں آسکتی ہے۔ اتنی اور کسی چیز سے نہیں آسکتی۔ اس لئے سب پر رحم کرنا ہمارا فرض ہے ۔ رحم اور

پرو پکار (رفاہ عام) یہ دونوں سُکھ کے ذریعے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف قوموں اور مذہبوں کو دیکھ کر میرے دل میں بڑی بیچینی پیدا ہوتی ہے۔ مگر مذہب کے معاملہ میں کسی کو دق کرنا نہایت نامناسب بات ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا کے بتائے ہوئے راستے پر جارہا ہے۔ اُس کے راہ میں روکاوٹ یا خلل ڈالنا ہرگز مناسب نہیں ہے"

اس سے ناظرین کو شہنشاہ اکبر کی طرز حکومت کے آورش (نصب العین) کا کچھ پتہ لگ گیا ہوگا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے عہد میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق کرانے کی بھی قابل تعریف کوشش کی تھی۔ اس نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ میں اپنی سلطنت کو ہندو مسلمانوں کی متحدہ سلطنت میں تبدیل کروں گا۔ اور اپنے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے اُس نے مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا تھا۔ ہندوؤں پر اُس نے یہاں تک اعتبار کیا تھا۔ کہ اپنی تمام فوج کی کمان راجہ مان سنگھ والی جے پور کے ہاتھ میں سونپ دی تھی۔ وہ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے ہندوؤں کے رشیوں اور گوروؤں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مشہور و معروف ہری بھدر سوری کو وہ گورو طرح مانتا تھا۔ اور اُس نے جینیوں کے پریوشن پرب (خاص تہوار) میں جانوروں کو نہ مارنے کا حکم دیا تھا۔ القصہ جس کام سے رعایا خوش ہو، جس سے رعایا کی بہبودی ہو، وہ اُسے خوشی سے کرتا تھا۔ اور کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ جس سے رعایا کی ناراضگی بڑھے۔ اس ملنساری کی

پالیسی پر عمل کرنیکے باعث اُس نے مسلمانی سلطنت کی بنیاد اتنی مضبوط کردی تھی، کہ وہ کئی صدیوں تک قائم رہی مگر بعد ازاں اورنگ زیب کی سخت[۵] پالیسی کے باعث وہ ڈھیلی پڑ گئی - اور آخرکار گر گئی"

"جن مسلمانوں کا تیرھویں صدی سے انیسویں صدی تک ہندوستان پر پولٹیکل قبضہ رہا - وہ پیدائش کے وقت سے لیکر موت تک ہندوستانی ہی تھے - وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے ہندوستان میں ان کی بیاہ شادیاں ہوتیں - وہ ہندوستان میں مرے اور ہندوستان میں ہی دفن کئے گئے - جو روپیہ وہ مالگذاری میں وصول کرتے تھے، وہ ہندوستان میں ہی خرچ ہوتا تھا - وہ بالعموم اُنہیں لوگوں کو اپنے ہاں ملازم رکھتے تھے، جو ہندوستان میں آباد ہو جانے کو راضی ہو جاتے تھے - اُن کی ہندوؤں کے ساتھ کوئی پولٹیکل عداوت نہیں تھی - اگر کسی قسم کی دشمنی یا اختلاف تھا تو وہ مذہبی تھا - آج ایک ہندوستانی اور انگریز کے درمیان جو فرق روا رکھا جاتا ہے - مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں وہ ہندو اور مسلمان کے درمیان نہیں تھا"

"شیر شاہ - اکبر - جہانگیر وغیرہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ہندو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جایا کرتے تھے - نسلی امتیاز

---

[۵] یہ لغو خیال عام طور پر ہندو مصنفوں کو قومی ورثہ میں ملا ہے - مگر اس کے متعلق آگے چل کر غیروں ہی کی زبان سے یہ بھی رد ہو جائے گا - احمدی مہاجر

کی دیوار اُن کی ترقی کی راہ میں کوئی روکاوٹ پیش نہیں کر سکتی تھی۔
اُس وقت ہندو گورنر تھے۔ فوجوں کے جرنیل تھے۔ ضلعوں اور صوبوں
کے حاکم تھے۔ وزیر اعظم تک کے عہدہ کے لئے بغیر کسی فرق یا تمیز کے
خیال کے ہندوؤں کو منتخب کر لیا جاتا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں
میں کوئی پولٹیکل فرق نہیں تھا۔ پولٹیکل اور مالی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں
کی حکومت اتنی ہی دیسی تھی جتنی کہ ہندوؤں کی تھی۔ مسلمانوں نے کبھی
رعایا کے ہتھیار چھین کر اُسے نامرد اور کمزور بنانے کی ذلیل اور بزدلانہ
کوشش نہیں کی۔ اُن کے زمانہ میں سب کو ہتھیار باندھنے کا حق
حاصل تھا۔ فوج کے سب لوگ یہیں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔
انہوں نے کبھی افغانستان، ایران اور عرب سے فوج کیلئے رنگروٹ
نہیں منگوائے۔ انہوں نے اپنے اصلی ملک (یعنی جہاں سے وہ لوگ
آئے تھے) کی ترقی کے لئے ہندوستان کی صنعت و حرفت کو خاک
میں ملانے کی قاتلانہ کوشش کبھی نہیں کی۔ انہوں نے ہندوستان
کی صنعت و حرفت کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی۔ وہ اپنے ساتھ اپنی
زبان اور اپنا علم ادب لائے ضرور۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں ہندوستان
کی حالت کا خیال کر کے انہوں نے ایک ایسی زبان بنالی۔ جو ویسی ہی
ہندوستانی ہے جیسی کہ ہندوستان میں بولی جانے والی دیگر زبانیں
ہیں۔ اس زبان کا نام اُردو یا ہندوستانی ہے۔ اور یہ قریب قریب
ہندوستان کے چاروں کونوں میں سمجھی جاتی ہے۔"

(بھارت درشن صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۲)

یہی نہیں بفضلِ خدا اسی طور کی اور بھی کافی تعداد میں اقبالی شہادتیں درج

کی جا سکتی ہیں۔ کہ جن سے مسلمان حکمرانوں کی حب الوطنی، رعایا پروری، مسالمت و رواداری کے اَن گنت، لاتعداد اور محو حیرت کر دینے والے بہت سے واقعات کا علم ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ مختصر سا رسالہ ان سب کے اندراج کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مگر چونکہ ہمارے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ بالا شہادتیں بھی کافی سے وافی ہیں۔ اس لئے فی الحال مزید کی ضرورت بھی نہیں۔

مگر ہاں! یہ مضمون نامکمل رہ جائے گا۔ اگر ہم ہندوستان کے عالی منزلت اور بلند بخت تاجدار حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی ذات والاصفات کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ حالانکہ یہی وہ توحید پرست، محبِ وطن اور مخلص بادشاہ اسلام ہے کہ جس پر سالہا سال سے اعتراضوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ اور فرضی واقعات اور من گھڑت افسانوں کی بناء پر طرح طرح کے الزام اور اتہام اس پر لگائے جاتے ہیں۔ اور اس نیک، رحمدل، عادل، رعایا پرور اور روادار شہنشاہ کو قومی تعصب میں مبتلا ہو کر ایسی گھناؤنی اور ڈراؤنی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کہ حقیقتِ حال سے بے خبر افراد اُسے بدترین خلائق سمجھ بیٹھے ہیں۔ کیونکہ مخالفین اسلام نے اس محترم وجود کے خلاف اس قدر گند اُچھالا ہے کہ اب ہندوؤں کے بچہ بچہ کی زبان پر "اورنگ زیب" اور "ظالم" مترادف لفظ بن کے رہ گئے ہیں۔ اور ذمہ وار آریہ سماجی و مہاسبھائی بھی جب کبھی کسی موجودہ مسلمان حکمران کو ظالم، چیرہ دست اور بے رحم کہنا چاہتے ہیں۔ تو اُسے "اورنگ زیب ثانی" کہہ کر ہی اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اخبار بین اصحاب کو معلوم ہے۔ کہ آریہ اور مہاسبھائی اخبارات اعلیحضرت میر عثمان علی خان پادشاہ دکن خلد اللہ ملکہٗ کی شان عالی میں گستاخیاں کرتے ہوئے آپکو عام طور پر "اورنگ زیب ثانی" ہی کہتے اور لکھتے رہتے ہیں۔

پس ان رنجدہ اور دل آزار حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ لگتے ہاتھ دشمنانِ حق کی اس مکروہ اور قابل صد نفرت افترا پردازی کی حقیقت بھی بے نقاب کر ہی دیں۔ تاکہ شریف، نیک طینت، راستی شعار اور سلیم الطبع ہندو بھائی۔ جان جائیں۔ کہ ان کے متعصب اور حق پوش ہم مذہب، عوام کالانعام کو گذشتہ اور موجودہ شاہان اسلام سے متنفر و بیزار کرنے کے لئے کس طرح حق و صداقت سے منہ موڑ کر بلا دریغ گند پر منہ مار لیتے ہیں۔ اور بے گناہ، بے قصور اور قابل احترام ہستیوں کو بھی بد سے بدتر شکل میں پبلک کے سامنے پیش کرتے ہوئے قطعاً خوفِ خدا سے کام نہیں لیتے۔

اعلیحضرت سلطان الہند محمد اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمتہ کی نیکی

پارسائی، رحمدلی، رعایا پروری، مسالمت اور رواداری کے متعلق ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ غیروں ہی کی زبان و قلم سے برآمد شدہ پیش کریں گے۔ تاکہ اس بزرگ بادشاہ کے متعلق ہماری سچی تعریف کو بھی کوئی جنبہ داری پر محمول نہ کرلے۔

پس بھارت ماتا کے اس قابل فخر سپوت اور مایۂ ناز فرزند کی ذات گرامی پر آج تک جس قدر بھی لغو اور بے بنیاد بہتان باندھے گئے ہیں۔ اُن کی تغلیط بھی علاوہ یورپین فضلاء کے خود ویدک دھرمی اور آریہ سماجی اہل قلم سے کروائیں گے۔

اور اس کے بعد جس محترم وجود کو اورنگ زیب ثانی کہہ کہہ کر دل کے پھپھولے پھوڑے جاتے ہیں۔ اُس بیدار مغز، عدل گستر، بے تعصب اور رعایا پرور پادشاہ و اسلام کی بھی رواداری، حب الوطنی، رعایا پروری، انصاف پسندی و بے تعصبی کے متعلق انہی مہاسبھائیوں اور آریہ سماجیوں کے

بھائی بندوں کے علاوہ دیگر اقوام سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی بھی متعدد شہادتیں پیش کرتے ہوئے بتلائیں گے۔ کہ شورش پسند اور آریہ راج کے متمنی معترضوں کا تاجدار دکن کی ذات گرامی کے خلاف ناپاک پروپیگنڈا سرتا پا لغو، بے بنیاد اور محض شرارت و مخاصمت پر مبنی ہے جس میں رتی بھر بھی سچائی نہیں۔

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کے متعلق غیر مسلموں کی بے لاگ آراء

اس بزرگ و بلند منزلت بادشاہ کے متعلق ہم سب سے پہلے ایک منصف مزاج ہندو فاضل پنڈت وتستہ پرشاد صاحب بی۔ اے کے ایک بے لاگ مضمون کا کچھ حصہ درج کرتے ہیں۔ جو کہ سنہ ۲۲ء میں اردو کے مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔

پنڈت وتستہ پرشاد صاحب بی اے کا گراں قدر مضمون

"جائے غور ہے۔ کہ جس مرد میدان نے توحید اور پاک روزی کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہو اس کو غاصب و غدار، کوتاہ اندیش اور طماع کے ناموں سے نامزد کرنا انصاف کے گلے پر چھری پھیرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ شہادت موجود ہے کہ یہ باکرامت شہنشاہ محل شاہی کی مسجد میں ساری ساری رات اہل کمال کی صحبت میں گذار دینا۔ سوائے دربار کے وقت کے ہمیشہ عزلت گزینی کو تخت نشینی پر ترجیح دینا۔ عنان سلطنت ہاتھ میں لینے سے پیشتر اپنا پیٹ کاٹ کر محتاجوں اور

فلک زدوں کی دستگیری کرتا رہا ہے - اور جب اورنگ جہانبانی پر جلوس فرماتا - دہلی کے مضافات اور بعض حصص کی ساری کی ساری آمدنی جو خاص مصارف شاہی کے لئے مخصوص تھی - خیرات و زکوٰۃ کے لئے وقف کردی - اور رمضان روزہ دارانہ کر گزار دینا - چھ چھ بلکہ نو نو گھنٹے رات گئے تک خدا رسیدہ بزرگوں کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنا اسی عقیدت مند بادشاہ کا حصّہ تھا - عنفوان شباب سے لے کر دم واپسین تک اورنگ زیب کو ممنوعات سے پورا پورا پرہیز رہا ہے - اخلاق کا اس سے بڑھ کر معیار اور کیا پاؤگے - کہ موسیقی کا اس قدر ماہر ہونے کے باوجود راگ رنگ کی محفلیں اُسے ایک نظر نہ بھاتی تھیں - کیا مجال جو چاندی یا سونے کے ظروف میں کوئی کھانا چُن کر لائے - وہی جام سفالین و طشتِ گلی دل کو مرغوب تھا - جو شاہ و گدا میں تمیز نہ پیدا ہونے دے - قرآن کی ایک ایک آیت لوحِ دل پر کندہ تھی - پھر لطف یہ کہ جہاں زبان کو اس کلام کی تلاوت سے ایک خاص تاثر حاصل تھا - وہاں دل کو اس معرفت آموز کلام کے معنی سے ایک عالم وجدانی موثر تھا - قرآن شریف کے دو نسخے کمال صحت و خوبی سے خط نسخ میں لکھے - مکّہ اور مدینہ شریف میں تحفہ پیش کئے - تحریر نظم و نثر کے تمام اصناف پر حاوی تھا - لیکن شاعری سے اس بناء پر پرہیز تھا کہ شاعری مبالغہ کی محتاج ہے - دل میں اخلاقی اور ادبی اشعار کی قدر موجود تھی - غرضیکہ کیا بلحاظ حسن اخلاق اور کیا بلحاظ صفائی قلب شہنشاہ عالمگیر اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا -

دربار میں راستی کا وہ عالم تھا۔ کہ کوئی امیر کسی قسم کی ناشائستہ کلام یا ہزل بطلان کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا۔ جس میں دو تین مرتبہ دربار نہ ہو۔ عالمگیر بخندہ پیشانی سب سے پیش آتے، بات بات سے نرمی و ملائمت کی جھلک آتی۔ بیٹوں داد خواہ دربار میں پیش ہوتے، بیداد کی فریاد کرتے۔ یہاں اُن کے حقوق کی جائز نگہداشت اور دادرسی ہوتی تھی۔
مرأت عالم کا مصنف لکھتا ہے۔ کہ عدل و انصاف کرتے وقت بادشاہ کو کبھی کسی نے چیں بہ جبیں ہوتے نہیں دیکھا۔ بلکہ فریادیوں کے شور و شغب اور جوشیلی باتوں پر شہنشاہ عفو فروگزاشت کو کام فرماتے۔ کسی سخت سزا کا فتویٰ دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ کہ اس وقت دل پر غصے اور جوش کا تصرف نہ ہو۔
اپنے والد کی حین حیات میں جب اورنگ زیب حاکم دکن مقرر ہوئے۔ تو جہاں پسرانہ جذبات اس بات کے متحمل نہ ہوسکے کہ والد ماجد کے احکام کی تعمیل سے مُنہ پھیرا جائے۔ وہاں یہ آرزو بھی دل میں تھی کہ کاش مجھے دنیا سے کچھ سروکار نہ ہوتا۔ اور میری زندگی کا انداز فقیرانہ ہوتا۔ میرے دل کو اطمینان اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جب کہ میری تمام عمر یادِ خدا اور نیک کاموں کے سرانجام دینے میں صرف ہو۔ فی الحقیقت یہ ترنگ ساری عمر عالمگیر کے ہمدوش رہی۔ یہاں تک کہ گوشت تک کھانے سے پہلو تہی ہونے لگی۔
سنہ ۱۶۶۵ء کا ذکر ہے۔ کہ چار ہفتوں تک یعنی جب تک کہ ایک

حیرت انگیز سیارہ آسمان پر نمودار رہا۔ اورنگ زیب تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی جوار کی روٹی کھا کر صبر و شکر سے بسر اوقات کرتے رہے رات کو زمین پر پڑ رہتے۔ اور شیر کی کھال اپنے گرد لپیٹ کر سو رہتے۔ اس فاقہ کشی اور نفس کُشی کا یہ نتیجہ ہُوا۔ کہ آپ کی جسمانی حالت بہت بگڑ گئی۔ اس دن سے آخری دم تک جسم کو صحت و توانائی نصیب نہ ہوئی۔

ایک دفعہ ایک امیر نے بہت اصرار کیا۔ کہ جہانِ پناہ سلطنت کے کاروبار میں اس قدر تندہی سے کام نہ کیجئے۔ خطرہ ہے کہ نصیب دشمناں کہیں صحت میں فرق نہ آجائے۔ آپ نے اس مضمون کا مراسلہ لکھ بھیجا۔ فرماتے ہیں کہ

" اس قادر مطلق نے مجھے دنیا میں اس غرض سے نہیں بھیجا۔ کہ میں محنت و مشقت کرکے صرف اپنی زندگی برقرار رکھوں۔ بلکہ اس لئے کہ میں اوروں کے لئے جیوں۔ میرا فرض یہ نہیں کہ اپنے لئے راحت کے سامان بہم پہنچاؤں۔ بلکہ یہ کہ اپنی رعیت کی خوشی میں اپنی خوشی سمجھوں۔ میری شان کے شایاں یہ ہے۔ کہ اپنی رعایا کے آرام و بہبودی کو ہمیشہ مدنظر رکھوں۔ اور اُن کے امن میں ہرگز خلل انداز نہ ہوں۔ تا وقتیکہ انصاف تقاضا نہ کرے۔ یا اختیاراتِ شاہی اور حفظ سلطنت کے برقرار رکھنے کا سوال درمیان میں نہ آپڑے "

اپنے والد محترم شاہجہان کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ

" خداوند حقیقی آدمی پر ایک سلطنت کا بار امانت ڈالتا ہے۔ جو اپنی رعایا کی دلجوئی اور تحفظ کے خیال کو جان سے سوا عزیز رکھے۔ ہر اہل نظر پر واضح ہے۔ کہ نہ بھیڑیا گلہ بانی کے لائق ہے۔ اور نہ

بُزدل سے سلطنت کی اہم ذمہ داریاں نباہنے کی امید ہو سکتی ہے۔
شہنشاہی خدا کی رہنمائی کا کام ہے۔ ریا کاری کا نام نہیں۔"

ان حالات کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اورنگ زیب ایک فقر دوست نہ تھا جس نے مذہب اسلام کی شان و شکوہ کو اپنے زہد و تقویٰ کے زور سے اپنے اصلی رُوپ میں دیکھا تھا۔ اس کی تمام زندگی ایک ولولہ تھی۔ جسے دوسرے لفظوں میں تجلیات باری سے فیضیاب ہونے کی ایک زبردست خواہش کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اگر اس نے اپنی رعایا کو مذہب اسلام کے محاسن جتانے کی کوشش کی ہے۔ تو اس بُلبل کی سپرٹ میں کی ہے۔ جو شاہد گُل کی خوبیوں سے آشنا ہو کر قمری اور بھنورے کو اپنے ساتھ نوحہ گر ہونیکی تلقین کرے۔ باوجود مقتدر ہونے کے اُسے اپنی طاقت پر زعم نہیں تھا۔ وہ تنگ دل نہیں تھا۔ وہ اپنی رعایا پر جبر روا رکھنے کے لئے بادشاہ نہیں بنا تھا۔ اگر اس نے کسی شخص کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی ہے۔ تو اس نے محبت کے جذبات سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ مذہب کی جس گراں بار جنس سے وہ خود مالا مال ہُوا ہے۔ اس سے اس کی رعایا بھی بہرہ ور ہو۔ اگر اُس نے (جنگ اور بغاوت کے دوران میں) مسمار شدہ مندروں کی جگہ مسجدیں بنوا دی ہیں۔ تو اس خیال سے خانہ خدا کے لئے اس کے پاس مسجد کے نقشے سے بہترین کوئی ویلین (نمونہ) تھا ہی نہیں۔

اگر اکبر نے اپنی رعایا کو مسلمان بننے کی ترغیب نہیں دی۔ تو

اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اکبر خود مسلمان نہ تھا۔ وہ درشن جھروکے میں چھپ چھپ کر سورج کے گرد ذرہ مثال پھرتا تھا۔ خود اس کے پاؤں برقرار نہ تھے۔ دوسروں کو کس طرح پیروں پر کھڑا ہونا سکھاتا۔ جہانگیر اور شاہجہان کو نورجہاں اور ممتاز محل کی اطاعت سے فرصت ملتی۔ تو خدا کی اطاعت کا بھی دم بھر لیتے۔ لیکن عالمگیر کے ظاہر و باطن میں تو خدا جلوہ گر تھا۔ اس کی سپرٹ کو جو نہ سمجھے وہ تنگ دل ہے، نہ عالمگیر۔ اس کے دل کی وسعت گمان و قیاس سے برتر ہے۔

اورنگ زیب پکا مسلمان تھا۔ مذہب اسلام کا سچا شیدائی تھا۔ وہ مذہب کو زندگی کا ایک جزو اعظم سمجھتا تھا۔ نہ کہ ایک دھوکہ کی ٹٹی۔ جس کی آڑ میں شکار کھیلا جائے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے علاوہ جتنے شہزادے تخت دہلی کے وارث ہیں۔ وہ اسلام کو ایک ذہنی تصور جانتے ہوں گے۔ لیکن اسے زندگی میں ڈھالنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور وہ سب اسکی خدا پرستی اور اتقاء سے ایسے متنفر تھے جیسے لاحول سے شیطان۔ تاڑنے والی نگاہیں تاڑ گئیں۔ کہ شاہجہان کی آنکھیں بند کرنے کی دیر ہے یہ اسیران ہوس سازشوں کے ایسے جال پھیلائیں گے۔ کہ سلطنت مغلیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہیں گے۔ اور طرح طرح کے مفسدات سے بے گناہوں کے خون بہیں گے۔ اسلام کا نام بدنام کرنے والے شہزادے عیش و عشرت کے ہاتھوں بک کر تیمور و چنگیز کے نام کو بٹہ لگائیں گے۔ غیرت کا دل ہی ایک

در دسلہ پیدا ہوا۔ اُدھر درگاہ ایزدی سے تائید غیبی کیلئے اورنگزیب سائل ہوا۔ قہر الٰہی صاعقہ بن کر اُترا۔ اور مخالفین کے خرمن کو جلا کر ڈھیر کر دیا۔ ظاہر بین نگاہیں اسی دھوکے میں رہیں کہ اورنگزیب نے اپنے بھائی قتل کر ڈالے۔

دیکھئے مسلمانوں کی نسبت ہندو کتنے ژرف نگاہ واقع ہوئے ہیں۔ ارجن نے بھی تو کوروکشیتر کے میدان میں ایک سو چچیرے بھائیوں کو پچھاڑا تھا۔ لیکن کیا مجال جو کوئی ہندو اس پر حرف گیری کر جائے۔ بلکہ سب کے سب یکزبان ہو کر کہتے ہیں۔ کہ کرشن نے تو پہلے ہی سے کوروں کا نشانہ اجل بنا رکھا تھا۔ صرف ارجن کے سر پر ظفر مندی کا سہرا باندھنا مقصود تھا۔ جو اس کے ہاتھوں میں شمشیر دی گئی۔ اِدھر اورنگ زیب جیسے باکمال شخص کی آہ ان مفسدہ پرداز بھائیوں پر اپنا اثر کر گئی۔ تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ خدا کی حکمت کاملہ کے قائل ہو تے۔ سارا قصور اورنگ زیب کے سر مڑھتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اورنگ زیب تخت نشین نہ ہوتا۔ تو سلطنت مغلیہ کو کبھی زوال نہ آتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر اُس کے جانشینوں میں سے دو آدمی بھی اورنگ زیب جیسے خدا پرست، متقی اور معاملہ فہم ہوتے۔ تو سلطنت مغلیہ کو غیر متوقع عروج حاصل ہوتا۔

جن حضرات نے لاہور کی شاہی مسجد کی زیارت کی ہے۔ وہ اگر عالمگیر کے دل کی وسعت اور عالی حوصلگی کا اندازہ لگا سکیں۔ تو

عجب نہیں۔ خاکسار نے جب اوّل اوّل اُس کے شاندار شش پہلو میناروں کی رفعت، بلند دیواروں اور عالی شان ڈیوڑھی کی ہیئت، سنگ مرمری گنبدوں کی شان اور مسجد کے اندر صحن کی فراخی درمیانی صحن کی وسعت دیکھی۔ تو دل نے گواہی دی۔ کہ شاہ مرحوم واقعی آئندہ نسلوں کے لئے ایک چھوٹے پیمانہ پر اپنی فراخدلی کا ایک نمونہ پیش کر گیا ہے۔ بعض آدمی کسی بزرگ کی عظمت کا اندازہ اس شاندار موت سے نکالتے ہیں۔ شہادت موجود ہے۔ کہ عالمگیر کی موت سے اس کے شان و شکوہ اور حُسن عقیدت کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

کون مسلمان ہے۔ جو جمعہ دن کی موت کو خاص وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ پھر اس پر طرفہ یہ کہ مرتے دم تک اس کی عبادت اور دستور العمل میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا جمعرات کی شام ایک خان نے ایک عرضداشت بھیجی۔ کہ میں چار ہزار روپیہ یعنی ایک ہاتھی کی قیمت حضور کے سر صدقے کے طور پر بھیجتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔ آپ نے اُس کی درخواست منظور فرمالی۔ اور اپنے ہاتھ سے جواب لکھا اور دعا کی کہ اس منّت سے خدا خوش ہو۔ میرا انجام بخیر کرے۔ جمعہ کی صبح کو باقاعدہ طور پر نماز ادا کی۔ اور پھر اپنی خواب گاہ میں لیٹ کر یادِ خدا میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں غشی طاری ہو گئی۔ مرتے مرتے بھی تسبیح پر ہاتھ تھے۔ ایک پہر دن گذرنے پر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔"

(اخبار نور ۳ فروری ۱۹۲۲ء صفحہ ۷ تا ۹)

اس کے بعد اس عالی مرتبت شہنشاہ کی بے تعصبی و رواداری کے متعلق اُسی زمانہ کے چند یورو پین سیاحوں کی عینی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ اور آج اس نیک اور محترم شہنشاہ کے متعلق متعصب اور بے علم معترضین کے قلم اور زبانیں جو خرافات اُگل رہی ہیں۔ وہ کہاں تک معقولیت پر مبنی ہیں ؟

اووِنگٹن سیاح کی چشمدید گواہی مسٹر لین پول" سوانح عالمگیر میں لکھتا ہے کہ :۔

" اووِنگٹن جس کی ذاتی سند تو چنداں قابل اعتبار نہیں۔ لیکن جس نے اپنی رائے ایسے نکتہ چینوں کی تحریر سے اخذ کی ہے۔ جن کو اورنگ زیب کی ذرا بھی پاسداری نہ تھی۔ یعنی یہ نکتہ چین بمبئی اور سُورت کے تاجر ہیں۔ وہ (اووِنگٹن) کہتا ہے کہ

" مغل اعظم (اورنگ زیب) عدل کا دریائے اعظم ہے جچے تُلے انصاف سے وہ عموماً تجویز کرتا ہے۔ کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارش، امارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اورنگ زیب اس مستعدی سے بات سنتا ہے۔ جس طرح کہ بڑے سے امیر کی "

ڈاکٹر برنیر کی عینی شہادت یہ فرانسیسی سیاح اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے وقت ہندوستان میں موجود تھا۔ اُس نے چشمدید حالات کی بناء پر لکھا ہے۔ کہ

" سلاطین مغلیہ اگرچہ مسلمان ہیں۔ لیکن اُن پُرانی رسموں

کے آزادانہ طور پر بجا لانے کو یا تو اس خیال سے منع نہیں کرتے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دست اندازی کرنا چاہتے ہی نہیں۔ یا دست اندازی کی جرأت نہیں رکھتے" (عہ)

(سفرنامہ برنیر جلد دوم ص۵۶)

پھر یہی فرانسیسی سیاح اورنگ زیب کے سفر کشمیر کا حال لکھتے ہوئے جبکہ یہ بھی ساتھ تھا۔ لکھتا ہے کہ :-

"ہم اپنی حاجت روائی لوٹ کھسوٹ سے بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک ایک بسوہ زمین خالصہ شریفہ سمجھی جاتی ہے اور رعیت پر دست درازی اور تعدی کرنا گویا بادشاہ کے مال میں دست اندازی کرنا ہے" (" جلد دوم ص۷)

کپتان ہملٹن سیاح کا عینی مشاہدہ

یہ انگریز سیاح اپنے سفرنامہ ہند میں شہر ٹھٹھہ کے حالات بیان کرتا ہوا حضرت عالمگیر علیہ الرحمتہ کے وقت کی رواداری کی بایں الفاظ شہادت دیتا ہے کہ :-

"حکومت کا مسلمہ مذہب اسلام ہے۔ لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پوری طرح سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت رکھتے ہیں۔ اور تہواروں کو اسی طرح سے مناتے ہیں۔ جیسے کہ اگلے زمانہ میں کرتے تھے جبکہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں۔ کہ شوہروں کے مُردے کے ساتھ ستی ہوں" (سفرنامہ ہملٹن سیاح جلد اول صفحہ ۱۲۷-۱۲۸)

"صرف بنیوں میں ۸۵ فرقے ہیں۔ اور گو ایک دوسرے کیساتھ

مل کر کھانا نہیں کھاتے۔ لیکن آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔ برہمن ہمیشہ لوگوں کو اس کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ کہ دیوتاؤں کے واسطے بڑی بڑی جائدادیں وقف کی جائیں۔"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس ملک میں

"پارسی بھی ہیں۔ اور وہ اپنے رسوم مذہب زردشت کے بموجب ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو بھی پوری اجازت ہے۔ کہ اپنے گرجے بنائیں۔ اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ اور بعض مرتبہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں۔ ان کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں کے اخلاق سے عموماً بدترین ہوتے ہیں۔" (جلد اول صفحہ ۱۵۹ - ۱۶۳)

اسی سفرنامہ میں شہر سورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"اس شہر میں تخمیناً سنو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ لیکن ان میں کبھی کوئی سخت جھگڑے اُن کے اعتقادات وطریقۂ عبادات کے متعلق نہیں ہوتے۔ ہر ایک کو پورا اختیار ہے۔ کہ جس طرح چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف اختلاف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا۔ ان (مسلم) لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔" (جلد اول صفحہ ۱۶۲)

ان عینی شاہدوں کی ناقابل تردید شہادتوں کے بعد اب چند دیگر فضلائے یورپ کے بیانات بھی پڑھ لئے جائیں۔ تاکہ حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی اصل پوزیشن کا پتہ لگ سکے۔ اور نظر آجائے کہ اس بزرگ اور قابل صد احترام شہنشاہ کو ظالم، جابر اور قاہر بتلانا کس قدر فعل ناروا ہے اور حق وصداقت کی مٹی پلید کرنا ہے۔

مسٹر لین پول اپنی تصنیف "سوانح عالمگیر" میں لکھتا ہے۔ کہ :-

" سیّاحوں کی مخالفانہ نکتہ چینیاں اورنگ زیب کے چال چلن پر اسی زمانہ تک ہیں۔ جبکہ وہ شہزادہ تھا۔ لیکن وہ سیّاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں۔ تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتے۔ اس کے پچاس برس کے دراز عہد حکومت میں ایک بھی ظالمانہ فعل ثابت نہیں ہے۔ حتّٰی کہ ہندوؤں کے ستانے میں بھی جو اس کی دینداری کا ایک جزو تھا[۱] سب کو تسلیم ہے۔ کہ کوئی قتل یا جسمانی تکلیف رسانی پیش نہیں آئی "

مورخ انفسٹن انفسٹن صاحب نے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ

" یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کسی ہندو کو اس کے مذہب کے سبب سے قتل۔ قید یا جرمانہ کی سزا دی گئی ہو۔ یا کسی شخص پر علانیہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہو "

مسٹر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ۔ بی۔ اے مسٹر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب ترجمہ پریچنگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں۔ کہ :-

" اورنگ زیب کے عہد کی کتب تواریخ میں (جہاں تک مجھ کو پتہ چلا ہے) بجبر مسلمان کرنے کا کہیں ذکر نہیں ہے "

(ترجمہ پریچنگ آف اسلام ص۳۷۹)

---

[۱] اس سے مراد جزیہ ہے۔ احمدی مہاجر

پھر یہی بے لاگ محقق اپنی کتاب میں حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی بے تعصبی اور رواداری کے متعلق لکھتا ہے۔ کہ :-

" اورنگ زیب کے فرامین اور مراسلات کا ایک قلمی نسخہ جو ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ اس میں مذہبی آزادی کا وہ جامع و مانع اصول درج ہے۔ جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔ جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی۔ کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے۔ اس علت میں برخاست کر دیا جائے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (اے ایمان والو۔ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ) عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا۔ کہ" مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں۔ اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے " اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی۔ لکم دینکم ولی دین (تم کو تمہارا دین اور ہم کو ہمارا دین) بادشاہ نے لکھا۔ کہ "جو آیت عرضی نویس نے لکھی ہے۔ اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا۔ تو ہم کو چاہیئے تھا۔ کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور انکی رعیت کو غارت کر دیتے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو اُن کی لیاقت کے موافق ملیں گی۔ اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں " (ترجمہ پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۸۰)

اس کے بعد چند منصف مزاج اور غیر جنبہ دار ہندو فضلاء کے بیانات پڑھ لئے جائیں۔ تاکہ ناظرین پر یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے۔ کہ " آریہ راج " کے

متمنی حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمتہ کو بدنام کرنے کے لئے جس قسم کا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ وہ کس قدر غلط بے بنیاد اور لغو محض ہے۔

لالہ منوہر لال صاحب کا بیان

لالہ منوہر لال صاحب نے اپنے ایک فاضلانہ مضمون میں حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمتہ کے متعلق بھی یہ الفاظ رقم فرمائے ہیں

" تعصب اور اشاعت مذہب کا الزام اورنگ زیب عالمگیر پر (لگایا جاتا) ہے۔ جو بالکل بے بنیاد اور تعصب آلودہ الزام ہے"

(ریسہ اخبار ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

شری بابو رام نرائن جی کی تحقیق

اسی طرح شری بابو نارائن جی سابق مینجر ریاست رام نگر دھمیڑی ضلع بارہ بنکی نے بھی حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمتہ کی بے تعصبی کے متعلق عرصہ ہوا ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:۔

" سلطان محی الدین اورنگ زیب غازی بادشاہ کو عام طور پر متعصب کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ہندوؤں کے معبدگاہ تباہ و برباد کئے۔ اور انواع و اقسام سے ہندوؤں کو تکلیف پہنچائی۔ مگر یہ امر غور طلب ہے۔ کہ یہ افواہیں کس حد تک صحیح اور درست ہیں۔ اور کس حد تک غلط تاریخی آمیزش ہے۔ جس کا وجود محض قیاسات یا بازاری افواہوں پر پایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں ہندو مندروں کی تباہی یا بربادی مذہبی تعصب پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی ایسا واقع ہوا بھی تو وہ پولٹیکل مصالح۔ اور اُس وقت کے واقعات سے متعلق ہے۔ بادشاہ ممدوح الشان کے غیر متعصب ہونے یا عموماً

بُت شکن نہ ہونے کے وجوہ حسب ذیل ہیں :-

۱- ضلع سیتاپور مصرکہ ہندوؤں کا ایک مشہور معبد ہے مصرکہ کے مہنت کے پاس بادشاہ عالمگیر کی عطا کی ہوئی ایک شاہی سند موجود ہے۔ جس کے ذریعہ سے بہت سے مواضعات مہنت موصوف کو مصارف مذہبی کے لئے عطا کئے گئے تھے۔ ازانجملہ چند مواضعات اب تک مہنت صاحب موصوف کے قبضہ میں موجود ہیں۔

۲- من مضافات متھرا چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام بلایووار ہے۔ یہاں بلدیوجی کا مندر ہے۔ اور اس مندر کے مصارف کے لئے بادشاہ اورنگ زیب نے بہت سے مواضعات عطا کئے۔ جو اب تک مندر مذکور کے قبضہ میں ہیں۔ اور اس طرح ممکن ہو کہ بہت سے ہندو مندر کے لئے بادشاہ موصوف کی طرف سے معافیات عطا کی گئی ہوں۔

۳- لب دریا جمنا الہ آباد کا قلعہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قلعہ کے اندر ہندوؤں کی ایک معبدگاہ ایک وسیع تہ خانہ کے اندر اب تک موجود ہے۔ ایک برگد کا درخت ہے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کی مورتیاں استھاپت (نصب) ہیں۔ ہزارہا ہندو اس وقت تک درشن کے لئے آتے جاتے ہیں۔ ہندو پنڈت اور پوجاری اس کے اندر اپنے عقائد اور پوجا کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ یہ قلعہ مسلمہ طور پر بادشاہ اورنگ زیب کے قبضہ میں تھا۔ اور بادشاہ موصوف اس معبد کو نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ تباہ یا مسمار کرسکتے تھے۔ مورتیوں کی ساخت اور جسامت سے پایا جاتا ہے۔ کہ

یہ مورتیاں ہزارہا سال کی بنی ہوئی ہیں۔اور ان مورتیوں میں سے کوئی بھی مورت توڑی ہوئی نہیں ہے۔اگر مذہبًا بادشاہ اورنگ زیب کو بُت شکنی کی عادت ہوتی۔ تو سب سے پہلے ان مورتیوں کا قلع قمع کر دیا گیا ہوتا۔

۴۔ آج کل یہ عام طریقہ ہو گیا ہے۔کہ جہاں کہیں کوئی ٹوٹی ہوئی مورتی مل جاتی ہے۔اس کو لوگ اورنگ زیب کی توڑی بتا دیتے ہیں لیکن اصلیت یہ نہیں ہے۔سوامی شنکر آچاریہ کے زمانہ میں جین اور بُدھ مذہب کے خلاف معرکہ آرائی ہوئی تھی۔اور اُس وقت کے ہزارہا جین و بُدھ مت کی شکستہ مورتیں آج کل لاعلمی سے ہندو مندروں میں استھاپت (نصب) ہیں۔جن کو میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔مگر کہہ دیا جاتا ہے۔کہ یہ مورتیں اورنگ زیب کی توڑی ہوئی ہیں۔

۵۔کاشی میں بشوا ناتھ جی کا مندر ضرور اورنگ زیب کے عہد میں توڑا گیا۔لیکن بادی النظر میں اس توڑنے کا سبب مذہبی تعصب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تہ میں پولٹیکل ضرورت[ل] محسوس ہوتی ہے۔ اورنگ زیب کے بڑے بھائی دارا شکوہ بنارس کے صوبہ دار تھے۔اور یہ امر ضروری ہے کہ اُن کا اثر بنارس خاص میں بہت کچھ رہا ہوگا۔یہ بہت ممکن ہے۔کہ دارا شکوہ کو شکست دینے کے بعد بنارس میں مسجد بنانا تجویز کیا۔اور دارا شکوہ کی پارٹی یا عام ہندو تعمیر مسجد میں ہارج ہوتے ہوں اور بادشاہ موصوف نے ان کے دبانے کیلئے مندر توڑ کر مسجد کے لئے حکم صادر کر دیا ہو۔امید ہے کہ صاحبان اہل بصیرت تعصب کا چشمہ اتار کر اس معاملہ کی بابت محققانہ غور فرمائیں گے" (اخبار سیاست لاہور ۱۸ جولائی ۲۴ء)

[Handwritten marginal note: ل یہ ہمارا خیال ہے ... [illegible]]

سر پی سی رائے

اس کے بعد بنگال کے نامور فاضل سر پی سی رائے کی معترکۃ الآرا اسپیچ سے بھی چند الفاظ درج ذیل کرتے ہیں۔ جو صاحب موصوف نے مسلم یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم انعامات کے موقعہ پر ارشاد فرمائے تھے۔

"سلاطین ہند کے بڑے بڑے جرنیل اور وزراء ہندو رہے ہیں۔ یہ وہ زمانہ نہیں تھا۔ کہ جو چیز اصولاً بیان نہ ہو۔ عملاً اس کا پتہ نہ ہو۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو ڈیڑھ صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ ہم میں فرط مسرت سے ایک دبونگی پڑ گئی۔ صرف اس لئے کہ ایک لارڈ سنہا کو ہندوستانی صوبہ کی گورنری پر جگہ دی گئی۔ جسونت سنگھ۔ جے سنگھ رمشت نمونہ از خروارے۔ جیسے کتنے سنہا کہیں زیادہ بلند اور عظیم الشان عہدوں پر مامور کئے گئے۔ مذہبی رواداری جو دوراندیشی اور فیاضی پر مبنی ہوتی ہے۔ شاہان مغلیہ کا طریق حکومت تھا۔ نہ کوئی استثناء شہنشاہ اورنگ زیب کی تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ لیکن اس کے عہد حکومت میں بقول انصاف پسند ایسا کہیں نہیں معلوم ہوتا۔ کہ کسی نے ہندو مذہب کی خاطر سزائے جان و مال اور قید برداشت کی ہو۔ یا کسی شخص سے اس کی آبائی پرستش پر باز پرس کی گئی ہو۔ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ اس متعصب شہنشاہ کے سب سے بڑے معتمد جنرل جسونت سنگھ اور جے سنگھ تھے۔"

(اخبار نجات۔ بجنور ۵۔ فروری ۱۹۲۳ء)

پھر یہی صاحب اپنے قابلانہ مضمون میں جو عرصہ ہوا رسالہ ماڈرن ریویو کلکتہ

میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت اورنگ زیبؒ کی رواداری و بے تعصبی کے متعلق یوں لکھا کہ :۔

" اورنگ زیب کے عہد میں (۱۶۵۸ء۔ ۱۷۰۷ء) بھی ہندوؤں کو بہت ذمہ دار عہدے ملتے تھے۔[۵] مُرشد قلی خاں کے زمانہ میں جو اورنگ زیب کی طرف سے بنگال کا صوبیدار تھا۔ ملکی نظم و نسق کے متعلق تمام ملازمتیں ہندوؤں سے مخصوص تھیں۔ اس کے علاوہ فوج میں بھی ان کو بلند منصب حاصل تھے۔ اگر اورنگ زیب کو ہندوؤں سے کچھ بھی ذاتی عناد ہوتا۔ تو وہ مُرشد قلی خاں کو اس رویّہ پر نہ صرف تنبیہ کرتا بلکہ سخت سزا دیتا۔ دہلی میں بھی صیغہ مالگذاری کا صدر ایک ہندو ہی تھا۔ جب جعفر خاں وزیر مقرر کیا گیا۔ اور وہ شاہجہان کے بیٹوں کی خانہ جنگی کے ایام میں اس منصب پر بحال رہا۔ تو صیغہ مالگذاری کا نظم و نسق قدیم و تجربہ کار معاون دیوان رگھوناتھ کھتری الملقب بہ رائے رایان کے ہاتھ سے انجام پاتا رہا۔ جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ تو اس نے دیوانی کا یہ عارضی انتظام قائم رکھا۔ اور رگھوناتھ کو راجہ کا خطاب دیا۔"

(ہسٹری آف اورنگ زیب از سر جدوناتھ سرکار جلد ۳ صفحہ ۲۷)

" اورنگ زیب پر بالعموم یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ اس نے اپنے تعصب اور تنگ نظری سے ہندو رعایا کو ناراض [illegible] لیکن اس کے عہد میں یہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کسی ہندو کو اس [illegible] مذہب کے سبب سے قتل، قید یا جرمانہ کی سزا دی گئی ہو۔ [illegible] یہ علانیہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی وجہ سے [illegible] گیا ہو۔"

([illegible] صفحہ ۵۵)

---

[۵] لالہ لاجپت رائے جی نے بھی لکھا ہے کہ :۔ " اورنگ زیب کی [illegible] اور اس کے دربار میں ہندو بکثرت ملازم تھے۔" (سیواجی صفحہ ۳۰۶)

ہندوستان کے اس مایہ ناز اور بلند مرتبت فرزند کی بردباری، حلیمی، بلند نفسی، بے تعصبی اور کمال درجہ کی مسالمت و رواداری کے متعلق اور بھی کئی ہندو فاضلوں کی آراء پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر افسوس کہ علالت طبع اور جگہ کی قلت کے باعث ہم اُن کے اندراج سے قاصر ہیں۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی دل یہی چاہتا ہے۔ کہ اس بزرگ بادشاہ پر لگائے گئے الزاموں اور تھوپے گئے اتہاموں کے مُنہ توڑ، مسکت اور دشمنان حق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کروا دینے والے جوابات خود کٹر اور غالی آریہ سماجیوں کی زبان و قلم سے بھی دلوائیں۔ تاکہ آریہ راج کے متمنی اس سچے مسلمان اور ہمدرد بنی نوع انسان شہنشاہ کے خلاف جو کچھ بھی واہی تباہی باتیں اپنی زبان و قلم سے نکالتے ہوئے عوام کے دل اور دماغ مسموم کرتے ہیں معلوم ہو جائے کہ وہ یقیناً یقیناً فعل ناروا اور کھلا کھلا ظلم ہے۔ کہ جس کے خلاف آواز اُٹھانا ہر راستی پسند انسان کا فرض ہے۔

پس ذیل میں ہم حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کے متعلق آریہ سماج کے مشہور اُپدیشک اور پرچارک مہتہ جیمنی جی. بی. اے کی تحقیق کے کچھ نتائج پیش کرتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ قارئین کرام انہیں پوری یکسوئی اور دلی توجہ کے ساتھ پڑھیں گے۔ تاکہ اُنہیں معلوم ہو جائے۔ کہ سچائی آخر سچائی ہے۔ اسے لاکھ پردوں میں چھپایا جائے۔ مگر آخر یہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ پر بہتان باندھنے والے عام طور پر یہی کہا کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے ہندوؤں کی مذہبی آزادی ہتیا لی۔ ان کی ضمیر کچل ڈالی۔ اُن کی دادرسی نہیں کرتے تھے۔ اُن کو انصاف سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اُن پر طرح طرح کی زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ اُن پر جزیہ لگا رکھا تھا۔ اُن کے بُت

توڑے جاتے تھے۔ مندر مسمار کئے جاتے تھے۔ اور انہیں جبراً مسلمان بنایا جاتا تھا۔ ہر چند کہ ان باتوں کا متذکرہ بالا سیاحوں، یورپین عالموں اور آزاد خیال ہندو فاضلوں کی تحریروں نے ازالہ کر دیا ہے۔ مگر ہم ان بے حقیقت الزاموں کا جواب آریہ سماجیوں سے بھی دلوائے دیتے ہیں۔ کیونکہ آریہ سماجیوں کے ان افتراؤں اور بہتانوں کا ازالہ خدا نے انہی کے ایک بھائی بند مہتہ جیمنی جی بی اے سے بھی کروا دیا ہے جو انشاء اللہ مخالفین کے منہ پر ہمیشہ کے لئے مہر سکوت لگا دینے والا ثابت ہو گا۔

حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ پر لگائے گئے بہتانوں کی تردید آریہ سماجیوں کے قلم سے

مہتہ جیمنی جی بی۔اے آریہ سماجی پرچارک کی تحقیق

مہتہ جی اپنی کتاب "اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی پہلو" کے ص۲۷ پر اقرار کرتے ہیں کہ اورنگ زیب عدل و انصاف میں یکتا تھا۔ اور داد رسی اور غریبوں کی شکایات پر توجہ کرنا اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔ فرمایا کہ:—

"وہ بڑا با انصاف تھا۔ عدالت کرتے ہوئے کسی کی رو رعایت نہیں کرتا تھا۔ جیسے کہ اُس کے چند احکام سے ظاہر ہو گا۔ وہ امورِ سلطنت میں مذہبی تعصب سے بری تھا۔ غرضیکہ اس کی زندگی ایک حیرت انگیز نمونہ کی تھی۔ وہ ہر طرح سے ہی رعایا کی بہبودی اور خوشحالی چاہتا تھا۔ اور رعایا کو امانت الٰہی سمجھا کرتا تھا"

اسی طرح صاحب موصوف نے اپنی کتاب صفحہ ۴۴۔۴۵ میں اورنگ زیب

کی انصاف پسندی" ایک ہیڈنگ باندھا ہے جس کے تحت میں اس نیک بادشاہ کی عدل پروری، دادرسی و انصاف پسندی کے کئی ایک واقعات جمع کئے ہیں جن میں سے بطور نمونہ ایک ہم بھی درج ذیل کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس ایک واقعہ سے ہی اس نیک سرشت شہنشاہ کی خوخصلت اور مزاج کا اندازہ ہو جائے گا۔

"مرزا تفاخر اورنگ زیب کا ہمشیرہ زادہ تھا۔ جو دہلی میں مدار المہام تھا۔ اوباش اور عیاش تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایسی بے جا حرکت کی۔ کہ گھنشیام داس ایک براہمن شادی کر کے اپنی ڈولی ساتھ لا رہا تھا۔ راستہ میں اس کا گذر مرزا تفاخر کے مکان کے پاس سے ہوا مرزا نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ جبراً دلہن کو ڈولی سمیت اپنے گھر میں داخل کیا۔ بہت شور و غل مچ گیا۔ اس پر عاقل خاں کوتوال فوراً قمر النساء بیگم کے پاس پہنچا۔ جو مرزا تفاخر کی والدہ اور اورنگ زیب کی ہمشیرہ تھی۔ اُس نے اپنے لڑکے کو سخت لعن طعن کر کے ڈولی کو باہر نکالا۔ اور گھنشیام داس کے حوالہ کیا۔ مگر یہ خبر آگرہ میں بادشاہ تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے فوراً حکم جاری کیا۔ کہ اُس نابکار، ملعون، خبیث، بدعادت کو قلعہ میں لے جا کر قید کریں۔ اور اگر اُس کی والدہ بھی اپنے بیٹے کی محبت سے کچھ تعرّض کرے۔ تو اُسے بھی پالکی میں عزت سے لے جا کر اُس کے بیٹے کے ساتھ ہی نظر بند کر دیں۔ اور عاقل خاں جیل خانہ میں قمر النساء کی عزت میں فرق نہ آنے دے۔ نہ اُسے کوئی تکلیف پہنچے۔ کیونکہ اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بذات خود شریف اور پاکدامن ہے۔ لیکن حضرت نوحؑ بھی اپنے

ناخلف بیٹے کا کوئی علاج نہ کر سکا۔ ہمارے اوپر اس خلقت کو دکھ دینا رعایا سے ناانصافی کرنا۔ جو خدا نے ہمارے سپرد بطور امانت کی ہے۔ حرام ہے۔ پچاس مسلح سپاہی قلعہ میں مامور کئے جائیں۔ تاکہ سانپ کہیں سوراخ سے نہ نکل جاوے۔ یعنی یہ لڑکا قلعہ سے بھاگ نہ جائے جب میں وہاں دورہ پر آؤں گا۔ تو پچاس کوڑے (ضرب بید) جس کے سروں پر کانٹے لگے ہوتے ہیں۔ اس لڑکے کو اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔ کیونکہ اور کوئی افسر میرے بھانجہ کو بید لگانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اگرچہ وہ فرزند کی طرح ہے۔ مگر بد اطوار فرزند سے اور کیا سلوک کیا جا سکتا ہے۔ (ضرب العبد امانت المولیٰ) اورنگ زیب کا یہ حکم بھی فارسی میں موجود ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جب کبھی اُسے اطلاع ملتی۔ کہ رعایا پر اُس کا افسر یا ملازم خواہ کتنا ہی قریبی ہو۔ سختی کرتا ہے۔ تو وہ انصاف کرتا۔ یہ علیحدہ بات ہے۔ کہ اُسے بعض دفعہ اپنے ماتحتوں کی سختیوں کی اطلاع نہ ملی ہو۔ مگر جب کبھی اُسے محکمہ خفیہ یا اور ذریعہ سے اطلاع ملتی یا اس کے پاس شکایت پہنچتی۔ تو ہرگز رعایت نہ کرتا۔ اور پورا انصاف کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رعایا خدا کی طرف سے اُس کے پاس امانت ہے۔ وہ رعایا کی تکالیف کا جوابدہ ہوگا۔ اور خدا کے نزدیک ایسے مظالم کے لئے معاف نہیں کیا جائے گا۔"

پھر اسی کتاب کے ص۳۷ پر اس فقیر منش اور درویش صفت شہنشاہ کی رعایا پروری کا بایں الفاظ اقرار کرتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ

"قحط سالی و خشک سالی میں غریبوں اور مساکین کو کثرت سے (مال) دیتا تھا۔ تاکہ وہ (رعایا) کسی طرح تکلیف اور مشقت سے تباہ نہ ہو جاویں۔ (حالانکہ) وہ اپنا گذارہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کرتا تھا۔ چنانچہ قرآن شریف کی کتابت اور ٹوپیاں سینے سے اُس نے وجہ معاش نکالی۔ جیسا کہ اُس کی وصیت سے ظاہر ہے۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۵ پر لکھا ہے کہ:-

"جہاں قحط پڑتا۔ فوراً اناج روانہ کرتا۔ معاملہ معاف کر دیتا۔ کاشتکاروں کو خزانہ شاہی سے تقاوی دیکر کاشت کرواتا۔ تاکہ ملک میں غیر آبادی اور بد امنی نہ پھیلے۔"

پھر اسی کتاب میں مہتہ جی حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کی رواداری کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:-

"اس (اورنگ زیب) نے ۱۶۷۱ء میں حکم دیا۔ کہ مال گذاری کے محکمہ میں نصف پیشکار اور منصب دار دیوانی کے محکمہ میں نصف حاکم ہندو اور نصف مسلمان مقرر کئے جائیں۔" (صفحہ ۳۵)

ناظرین با تمکین خود ہی فیصلہ فرمائیں۔ کہ اگر حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ متعصب، تنگدل، غیر روادار ہوتے۔ تو ہندوؤں کے لئے اس قسم کا فیاضانہ و مساویانہ حکم نافذ فرماتے؟ کیا ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ ذمہ داری کے عہدوں پر تعینات کرنا اور انہیں مساوی حقوق عطا فرمانا ہی ان کے تنگدل ہونے کی دلیل ہے؟

غیر مسلموں پر جزیہ لگانے کا اعتراض اور اُس کا جواب

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کو جابر اور سخت گیر ثابت کرنے کے لئے یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اُنھوں نے اپنی غیر مسلم رعایا پر اس لئے جزیہ لگا دیا۔ کہ وہ تنگ آکر مسلمان ہو جائے۔ حالانکہ کم فہم اور بے سمجھ معترضوں کو پتہ ہی نہیں کہ جزیہ کیا چیز ہے؟ جزیہ وہ ہلکا سا ٹیکس تھا۔ جو عہد اسلامیہ میں غیر مسلم رعایا سے محض اس لئے لیا جاتا تھا۔ کہ اس کے بدلہ میں حکومت اسلامیہ اُن کی، اُن کے مذہب، اُن کے معابد اور اُن کی املاک اور آزادی کی حفاظت کرے۔ اور جنگی خدمات سے بھی سبکدوش کر دے۔ اور یہ بہت سی مراعات کے بالمقابل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کے متعلق جینی جی بھی لکھتے ہیں کہ:—

"اس میں شک نہیں۔ کہ جو جزیہ اکبر نے معاف کر دیا تھا۔ اورنگزیب نے ازسرِ نَو پھر لگا دیا۔ اور اس کے لئے بہت سے مؤرخوں نے اُسے متعصب قرار دیا ہے۔ مگر بعض مؤرخان کی رائے میں یہ ایک قسم کی خاص ٹیکس تھی۔ جو غیر مومن رعایا کی حفاظت کے لئے بمنزلہ انکم ٹیکس (؟) لگائی گئی تھی۔ ...... اس جزیہ کی ۱۳۔ اقسام ہیں۔ یعنی ۳ 1/3 روپیہ سالانہ 6 2/3 اور 13 1/3۔ مگر غربا، فقرا اور عورتوں بچوں کو معاف کر رکھا تھا۔ مگر اس کے مقابلہ میں اس کی رحمدلی اور فیاضی کا ثبوت یہ ہے۔ کہ خافی خاں تاریخ ہند میں لکھتا ہے۔ کہ قریبًا ۸۰ قسم کے ٹیکس اورنگزیب نے معاف کئے۔ مگر تاریخ میں صرف ۱۷ اقسام کا نام دیا ہے مرأۃ الاحمدی میں ذکر ہے۔ کہ اورنگزیب نے حسب ذیل محصول بند کر دئے۔

(۱) مقامی پیداوار کی فروخت پر محصول چنگی (۲) جائداد غیر منقولہ کے بیع کرنے پر (۳) افسران مقامی کے نذرانے فیس یا کمیشن (۴) چند پیشوں کے اختیار کرنے کے لئے لائسنس لینے پر کمیشن (۵) جبریہ چندہ (۶) ہندوؤں پر خاص ٹیکس (۷) محصول چنگی۔ دودھ، تیل، گھی افیون، دہی، ڈھاک کے پتے، ببول کی چھال، گوند، سبزیات خوردنی، گھاس، سوختنی لکڑی، جنگل کی جھاڑیاں، سرکنڈے، تمباکو، گلاب کے پھول، مٹی کے برتن وغیرہ اشیاء پر بالکل ہٹا دیا۔ (۸) زمین مرہونہ حویلی، مکانات (۹) بردہ فروشی (۱۰) راہ داری کا ٹیکس، گاڑیوں، اونٹ، قاصدان پر (۱۱) پتھر کے وزن باٹوں پر (۱۲) دستار شماری (۱۳) خانہ شماری کی فیس (۱۴) چراگاہ پر ٹیکس (۱۵) چک بندی کے وقت ٹیکس (۱۶) داروغہ اور کوتوال کی فیس (۱۷) ڈولی، بیل، صندوقچہ وغیرہ کا محصول (۱۸) سالیانہ، فصلانہ جو مقامی افسران لیا کرتے تھے قطعی بند کر دیا (۱۹) محصول کشتی وگھاٹ بالکل ہٹا دیا (۲۰) دستور الیزاری (۲۱) کاغذ کی قیمت جو لوگوں کو رسید دینے پر صرف ہوتا تھا (۲۲) لوہے کے برتنوں پر ٹیکس (۲۳) پیشکش جو نئی تقرری کے وقت افسر لوگ گندم فروشوں اور بنجاروں سے لیا کرتے تھے (۲۴) رخصتانہ جو ہرکارہ لوگ چٹھیوں کے تقسیم کرنے کا لیا کرتے تھے۔ (۲۵) اردلی یا پھاٹک قلعہ کے محافظ جو رہگذروں سے لیا کرتے تھے (۲۶) محصول سرو ابستی (۲۷) قصاب، روئی دھننے والوں، دوسرے مقام پر نئے کام شروع کرنے والوں (۲۸) کپڑے چھاپنے والے۔ (۲۹) اونٹوں کو کرایہ پر لیتے وقت جو مقدمی نمبردار لیا کرتے تھے۔ اُن سب کو

یک قلم بند کیا۔ ایسا ہی (۳۰) اینٹ ساز سے جو ہبُوب لئے جاتے تھے
(۳۱) شادی کے موقعہ پر بھرو پیا سے، دلال سے، بندوق ساز سے۔
(۳۲) علاوہ ازیں اُس نے عید کے موقعہ پر مفت لیمپ جلوانا۔ بیگار
لینا بند کر دیا (۳۳) دریائے گنگا اور دیگر تیر تھوں پر جانے کا ٹیکس
(۳۴) دریا پر ہڈیاں لے جانے کی ٹیکس (۳۵) غبط۔ بٹا (رواجی ٹیکس)
مہمان۔ نذرانہ۔ باردانہ۔ بٹہ۔ کوتوال۔ تمباکو۔ قاضی کی فیس۔ سنجائی
یعنی کاشتکاروں پر اُن کے ہمسائیوں کے مرجانے یا چلے جانے پر
فی من گڑ پر کچھ ٹیکس۔ پٹواری کا سیدھا (خوراک) پربی (تہواروں)
پر ٹیکس۔ پاسبانی وغیرہ ان تمام ٹیکس ہا کو جن سے رعایا
بوجھ سے لدی ہوئی تھی قطعی بند کر دیا۔ ان سے پتہ
لگتا ہے۔ کہ وہ ہر طرح سے رعایا کی خوشحالی اور آسودگی
کا خواہشمند تھا۔ اگر اُس نے ایک جزیہ ہندوؤں پر لگایا تو بمقابلہ
اُن ہبُوب اور نذرانوں اور کئی قسم کے ٹیکسوں کے جو رعایا پر لگائی
جاتی تھیں۔ اور اہلکار لوگ سخت تشدد و جبر سے وصول کیا کرتے
تھے۔ اس کے مقابلہ میں یہ یعنی جزیہ لگانا ہیچ تھا۔ اگرچہ میں
اس کے جزیہ لگانے کے حق میں نہیں ہوں۔ مگر تاہم اتنا تو کہہ سکتا
ہوں۔ کہ اُس نے پوری کوشش کی۔ اور جہاں کہیں اُسے اہلکاروں
یا افسروں کی شکایات پہنچیں۔ ان کا سخت نوٹس لیا۔ اور پورا پورا آئندہ
کے لئے انتظام کیا" (" صہ ۵۲-۵۴)

اور پھر یہ جزیہ بھی ہر ایک سے نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ جوان، تندرست
قوی الجثہ اور کمائو سے لیا جاتا تھا۔ اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ وہ جنگی خدمات

بجا نہ لائے۔ جو قومیں جنگی خدمات ادا کرتی تھیں۔ وہ بھی اس کی ادائیگی سے بری تھیں۔ پھر نہیں معلوم کہ اس معمولی سے ٹیکس کے باعث کیوں اسقدر ژولیدہ بیانی کی گئی:

باقی رہا ہندوؤں کی دلآزاری اور ان پر سختی کرنے کا الزام۔ اس کے متعلق بھی مہتہ جیمنی جی کہتے ہیں۔ کہ یہ سراسر لغو اور بے بنیاد الزام ہے۔ اور تردید کے لئے وہ حضرت اورنگ زیب کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں۔ جس کی اصل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے پاس محفوظ ہے۔ مہتہ جی فرمان کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ:۔

"اس کا فرمان مورخہ ۲۸ فروری ۱۶۵۹ء جس کی نقل جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (عالمگیر) ہرگز ہندوؤں کے دل دکھانے نہ چاہتا تھا۔ نہ وہ مندروں کا دشمن تھا۔ چنانچہ اس فرمان کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"ہماری شرع کے بموجب یہ قرار داد ہو چکا ہے۔ اور فتویٰ دیا جا چکا ہے۔ کہ قدیمی مندروں کو ہرگز مسمار نہ کیا جاوے۔ لیکن کوئی نیا مندر تعمیر ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ دربار معلیٰ میں خبر گوش گذار ہوئی ہے۔ کہ بعض افسروں نے ہندوؤں کو جو بنارس میں اقامت پذیر ہیں۔ ہراساں کر رکھا ہے۔ اور اس کے قرب وجوار کے لوگوں اور بالخصوص ان براہمنوں کو ان کے قدیمی بُت خانوں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمارا شہنشاہی فرمان یہ ہے۔ کہ آپ (ان حکام کو) ہدایت کر دیں۔ کہ آئندہ کوئی مقامی حاکم خلاف قانون طریقہ سے براہمنوں اور دیگر اہل ہنود کو جو ان مقامات پر رہتے ہیں۔ یا اُن کے اجارج ہیں۔ نہ تو کسی قسم کا عذاب یا تکلیف دے نہ ان کے کاروبار میں

دست اندازی کر کے مخل ہو۔"

یہی صاحب اپنی کتاب میں حضرت اورنگ زیب پر جبر و تشدد کا الزام دُور کرتے ہوئے اس زبان زد ہنود روایت کی بھی بایں الفاظ دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ جو حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی کو بدنام و مطعون کرنے کے لئے سالہا سال سے پبلک میں مشہور کر رکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ :-

"ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے بہت سے ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے۔ گو تاریخی حوالہ نہیں ملتا۔ کہ وہ سوا من جنجو روزانہ توڑ کر روٹی کھایا کرتا تھا۔ نہ معلوم ایسی گپ زبان زد خلائق (نہیں۔ صرف زبان زد ہنود) اختراع کہاں سے ہوئی۔ مگر بہرحال یہ حکایت عام طور پر پنجاب میں بر چلت (مشہور) ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو اس کی لغویت عیاں ہے۔ کیونکہ ایک تولہ وزن میں تین جنجو (جنیئو۔ زنار) آتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ سیر بھر وزن کے ۲۴۰ جنجو اور سوا من کے لئے بارہ ہزار جنجو چاہئیں۔ یعنی ایک ماہ میں ۳۶۰۰۰ ہزار ہندو اورنگ زیب اپنے ہاتھ (سے) مسلمان بناتا تھا۔ یعنی سال بھر میں ۴۳۲۰۰۰۰ گویا قریباً نصف کروڑ ہندو سال بھر میں مسلمان ہو جاتے تھے۔ اس وقت ہندوؤں کی آبادی ۱۸ کروڑ تھی۔ جس میں سے اگر نصف حصہ عورتوں کا علیحدہ کر دیا جاوے۔ کیونکہ وہ جنجو نہیں پہنتیں تو باقی ۹ کروڑ رہ جاتے ہیں۔ ۹ کروڑ میں سے ۳ کروڑ وہ لوگ سمجھیں جو بصورت شودر اور چھوٹی ذاتیں حجام۔ کہار وغیرہ کہلاتے ہیں یگیوپوت پہننے کا استحقاق نہیں۔ پس باقی ۶ کروڑ رہ جاتے ہیں۔

پس اگر اورنگ زیب کئی کروڑ ہندوؤں کے جنیو تڑوا تا۔ تو یہ مرحلہ ۸ سال میں طے ہو جاتا۔ اور اس وقت ایک ہندو صفحۂ ہستی پر نظر نہ آتا۔ لیکن خوش قسمتی سے ہم آج بھی ہندوؤں کی آبادی اورنگ زیب کے زمانہ سے زیادہ پاتے ہیں۔ (تو اس سے) **پتہ لگتا ہے کہ یہ مبالغہ آمیز** گپ کسی نے ہندو مسلمانوں کے باہمی جذبہ کو بھڑکانے کے لئے ہانک دی ہے۔ ورنہ **اس کی صداقت واقعات کسوٹی پر پرکھی نہیں جا سکتی**" (ص ۱۳-۱۴)

ہندو اور سکھوں کو حضرت اورنگ زیب سے متنفر و بیزار کرنے کیلئے جس طرح کسی دشمن حق نے یہ لغو روایت ملک میں صدیوں سے مشہور کر رکھی ہے۔ اسی طرح اسی طور کی ایک اور بے ہودہ، شرمناک اور اشتعال انگیز روایت ہمارے سکھ بھائیوں میں مشہور ہے۔ اور عام ہندو بھی اسے درست سمجھتے ہوئے حضرت اورنگ زیب ایسے شریف، حلیم اور نیک پادشاہ کو ظالم اور جابر کہنے سے نہیں جھجکتے۔ اور وہ روایت یہ ہے۔ کہ جب کشمیر کے ہندوؤں کو اورنگ زیب نے مسلمان ہو جانے کا حکم دیا۔ تو وہاں کے پنڈت ماتم کناں گورو تیغ بہادر کے پاس آئے۔ اور بادشاہ کے مظالم کا ذکر کیا اور امداد طلب کی۔ جس پر گورو صاحب نے انہیں کہا کہ تم دلی چلے جاؤ اور بادشاہ سے کہو۔ کہ پہلے ہمارے گورو کو مسلمان بناؤ۔ جب وہ مسلمان ہو جائینگے تو ہم بھی اسی وقت اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر بادشاہ نے گورو صاحب کو دربار میں طلب کیا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوئے۔ تو قبول اسلام سے انکار کرنے پر قتل ہوئے۔

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس اشتعال انگیز روایت میں کہاں تک سچائی ہے سو اس کے لئے ہمیں اپنی طرف سے کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے لغو

اور منافرت آمیز واقعات بیان کرنے والوں کے ایک بھائی بند نے ہی واقعات کی محک پر پرکھ کر اسے رد کر دیا ہے۔

لاہور کے مشہور آریہ سماجی مہاشہ سنت رام سابق ایڈیٹر دھرم ویر لاہور اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ

"اس روایت کے پڑھنے سے ہر ایسے شخص کے دل میں جو اندھا وشواسی (اندھا مقلد) نہیں ہے۔ بلکہ دل و دماغ رکھتا ہے۔ کئی ایک سوالات پیدا ہونے ضروری ہیں۔ اور اس کو تواریخ ہند کے پریشان اوراق سے اُن کے جوابات کی تلاش کرنے کی ضرورت درپیش آئے گی۔

سوالات (۱) کیا اورنگ زیب نے کوئی ایسا حکم دیا۔ کہ تمام ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا جاوے۔ اگر اور کسی جگہ کے لئے نہیں تو کیا کشمیر کے لئے کوئی اس کا پروانہ جاری ہوا؟

(۲) کیا (گورو) تیغ بہادر (جی) کی ایسی شخصیت تھی۔ جو کشمیر کے پنڈتوں کو امداد حاصل کرنے کے لئے پنجاب میں کھینچ لائی؟

(۳) کیا (گورو) تیغ بہادر جی کا چند آدمیوں کو ساتھ لے کر ہندوستان کے دارالسلطنت میں حاضر ہو جانا۔ اور بادشاہ سے سخت سُست سوال و جواب کرنا ہندو قوم یا ہندو دھرم کو بچا سکتا تھا؟

(۴) کیا ان کی قربانی (قتل) سے ہندو قوم کو کوئی فائدہ پہنچا یا پہنچ سکتا تھا؟

جوابات (۱) تمام ہندوستان کی تواریخ کی پڑتال کریں۔ اورنگ زیب کے اول سے آخر تک حالات پڑھیں۔ اور اس کے عہد کے واقعات کا

بغور مطالعہ کریں۔ کہیں نظر نہیں آئے گا۔ کہ اورنگ زیب نے کوئی اس قسم کا حکم دیا۔ نہ ہی مسلمان مورخوں نے اس کا ذکر کیا۔ اور نہ ہی یورپین سیاحوں نے کہیں لکھا۔ حتی کہ سٹور یا ڈوموگور کے آزاد مصنف مسٹر نکولاس منوچی جو شاہجہان سے لے کر شاہ عالم کے زمانہ تک مغلیہ دربار میں رہا۔ اور جس نے اورنگ زیب کی ہر ایک حرکت اور چھوٹے سے چھوٹے ظلم کو بھی قلمبند کرنے سے نہ چھوڑا۔ اسکی کتاب میں بھی اس واقعہ کا نام ونشان نظر نہیں آتا۔ اورنگ زیب پنجاب۔ بنگال۔ بہار۔ یو۔پی۔ اور دکن کے باشندوں کو جبراً مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن تعجب کا مقام ہے۔ کہ وہ کشمیر کے پہاڑوں میں اس قسم کا جابرانہ حکم جاری کرتا ہے۔ اور پھر اس صورت میں جبکہ آئندہ درپیش ہونے والے واقعات بتلاتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب اور پہاڑی راجاؤں کے تعلقات نہایت اعلیٰ تھے۔ اور وہ ان راجاؤں کو ہمیشہ مدد دیا کرتا تھا جیسا کہ ہم دوسرے نمبر میں بیان کر چکے ہیں۔

اورنگ زیب اگر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ تو سب سے پہلے اُس کو ضروری تھا۔ کہ وہ اپنے دربار کے ارکین راجہ جے سنگھ اور مہاراجہ جسونت سنگھ وغیرہ اور ہزاروں راجپوتوں کو جو اس کی فوج میں ملازم تھے، مسلمان کرتا۔ لیکن واقعات بتلاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ اورنگ زیب ظالم تھا، جابر تھا، سخت گیر تھا، مذہب کی آڑ لیکر مسلمانوں کو بھڑکا کر ہندوؤں کو نقصان پہنچا دیتا تھا (مہاشہ جی! ذرا اور تحقیق کیجئے۔ تاکہ یہ الفاظ بھی آپ واپس لینے کے قابل ہو سکیں۔ ناقل) اور

اپنا مطلب حاصل کر لیتا تھا۔ لیکن ہم ڈنکے کی چوٹ لکھتے ہیں۔ کہ جو کچھ وہ کرتا تھا۔ اور اس نے کیا۔ وہ سب ہوس ملک گیری سے مجبور ہو کر کیا۔ مذہبی تعصب یا اشاعت اسلام کا خیال ہرگز ہرگز اس کی تہ میں کام نہ کر رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ پس سکھوں کا یہ کہنا کہ اورنگ زیب نے کشمیر کے پنڈتوں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے کوئی حکم جاری کیا تھا۔ بالکل غلط ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جیسا کہ تاریخ یہ نہیں بتلاتی۔ کہ اورنگ زیب نے کشمیر کے لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کا حکم دیا۔ ویسے ہی اس امر پر روشنی نہیں پڑتی۔ کہ وہ حکم (شری گورو تیغ بہادر جی) کی قربانی نے منسوخ کرا دیا"

(ہندو جاتی اور سکھ گورو صفحہ ۱۰۹)

کیا مہتہ جیمنی جی۔ بی۔ اے اور اس کٹر آریہ سماجی ایڈیٹر کی مندرجہ بالا تحقیق کو پڑھ کر بھی حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کو جبراً مسلمان بنانے والا ثابت ہو سکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

جس قوم کے بعض متعصب افراد نے افترا پردازیاں کیں۔ خدا نے اسی قوم کے بعض آدمیوں کو حقیقت حال ظاہر کرنے پر آمادہ کر دیا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی پر مخالفین کی طرف سے جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ہم نے بفضلہ تعالےٰ ان سب کا قرار واقعی جواب غیر مسلموں ہی کی زبان و قلم سے دلوا دیا۔ اس کے بعد ہم مختصراً یہ بھی بتلا دیں۔ کہ اس بزرگ بادشاہ کی بلند بختی۔ بیدار مغزی۔ عدل گستری۔ انصاف پروری اور مسالمت و رواداری کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ اُن کے عہد میں نہ صرف رعایا ہر رنگ میں

خوشحال، سکھی، اور شاداں تھی۔ بلکہ ملک کی زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت بھی انتہائی ترقی کر گئی تھی۔ یہی کیوں اس با اقبال بادشاہ کے صدقہ مملکت میں بھی اتنی توسیع ہو گئی تھی۔ کہ اس سے پیشتر اتنی وسعت کسی کے نصیب میں نہ تھی۔ اور اس توسیع سلطنت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک ایک ایسا بے نظیر اتحاد، یگانگت اور یکجہتی پیدا ہو گئی تھی۔ کہ اس کی نظیر پہلے وقتوں میں ملنی محال اور ناممکن ہے۔

سر جدوناتھ سرکار اپنی کتاب "اورنگ زیب" میں اس امر کے معترف ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:—

"یہ اُسی بادشاہ کا ورُود مسعود تھا۔ جبکہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچی۔ اور ابتدائے عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید یہ واحد حکومت ہے۔ جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔ غزنی سے لے کر چاٹگام تک اور کشمیر سے لے کر کرناٹک تک تمام ملک ایک ہی فرمانروا کے زیر نگین تھا۔ اور لادک و مالابار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا۔ اس طرح سے جو حکومت قائم ہوئی تھی۔ ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف قطعات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا۔ بلکہ بلا واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے۔ اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت۔ اشوک۔ سمدر گپت یا ہرش وردھن کی حکومت سے وسیع تر تھی۔ اس وقت تک کسی صوبہ کے گورنر نے سر نہ اُٹھایا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں علم بغاوت بلند کیا گیا۔

لیکن کسی صوبہ میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہُوا ۔ جو شہنشاہ دہلی کے احکام سے سرتابی کر سکتا ۔"

(مقدمہ اورنگ زیب جلد اوّل)

اس کے بعد آریہ سماج کے مشہور پرچارک اور مشنری مہتہ جیمنی جی بی اے کی اقبالی شہادت بھی نقل کی جاتی ہے ۔ جس سے یہ ثابت کر کے کہ اس بزرگ بادشاہ کے عہد میں رعایا کس قدر خوش تھی ۔ پُرامن اور خوشحال تھی ۔ اور ملک کی صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت میں کس قدر محیّر العقول ترقی ہو گئی تھی ۔ اور ہندوستان اپنی وسعت اور مال و زر کی فراوانی کے باعث دیگر ممالک سے کتنا سر بلند ہو گیا تھا ۔ اس حصۂ مضمون کو یہیں ختم کرتے ہیں ۔

مہتہ جی کے بیان سے یہ معلوم ہو جائے گا ۔ کہ جس محترم اور بزرگ بادشاہ کی مخلصانہ مساعی کی بدولت ہندوستان جنت نشان بن گیا ۔ غیر اقوام کی نگاہوں میں اس کی قدر و عظمت بڑھ گئی فرنگستان تک باشندے اس پہ رشک کرنے لگے ۔ اس بزرگ اور واجب الاحترام شہنشاہ کے متعلق یہ کہنا درجہ کی خُبثِ باطنی نہیں تو اور کیا ہے ۔

کہ وہ عالمگیر ہندو کُش تھا ۔ ظالم تھا ۔ ستمگر تھا ؟

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کے عہدِ مسعود میں ہندوستان کی قابلِ رشک حالت

"اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان ہر پہلو سے خوشحال اور آسودہ تھا ۔ . . . . اورنگ زیب کے زمانہ میں گولکنڈہ میں ہیرے کی منڈی تھی ۔ نہ صرف ایشیا کے لئے بلکہ دنیا بھر کے لئے

فولاد کا کام دمشق تک وہاں سے جاتا تھا۔ اور تلوار، نیزہ و خنجر ہندوستان کے لئے تیار ہوا کرتا تھا۔ مچھلی پٹم کے کاریگر جلاہے اور وہاں کی چھینٹ بنی ہوئی تمام ایشیاء میں شہرت رکھتی تھی۔ ایلور کا کارخانہ دری بننے کا جو بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ صدیوں تک مشہور رہا گولکنڈہ کے ہرے بھرے کھیت۔ تالاب، پھولوں سے بھرپور اور حرفت کاری کی رونق۔ ہیرے اور سونے کی کانوں نے گولکنڈہ کا نام یورپ تک مشہور کر دیا تھا۔ ایسا ہی اورنگ زیب کے وقت پچی کاری صنعت کاری اور مکانات کی عمدگی نے بھی پورا فروغ حاصل کیا۔ ہندوستان کی رونق اور دولت دیکھ کر یورپ کے سیاح یہاں آکر چکا چوند میں پڑ جاتے تھے۔ یہاں کے زر و جواہر و لعل و ہیرے اور دیگر پیداوار (معدنیات) کی جگمگاہٹ پر وہ رشک کھاتے تھے۔ اور ہندوستان کی آسودہ حالی کے ایام دیکھکر اُن کے مُنہ میں پانی بھر آتا تھا۔ کوہ نور اور تخت طاؤس کی جگمگاہٹ نے اور مغلیہ دربار کے تُزک و احتشام نے اٹلی و فرانس کے سیاحوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اور ہندوستان میں رہائش اختیار کرنے اور یہاں کی دولت سے مالا مال ہونے کے لئے انگیختہ اور تیار کر دیا۔ کسان لوگ بہت آسودہ تھے۔ ان کے ساتھ نہایت نرمی سے سلوک کیا جاتا تھا۔ لوگوں کی شکایت پر ظالم حکام اور مال افسروں کو علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ مال و منال۔ دولت و خوشحالی ہر ایک پہلو پر بڑھتی رہی۔ قابل آدمی دربار کی زینت ہوتے۔ اور لوگوں کی تمام شکایات

توجہ اور حقیقی انصاف سے سماعت کی جائیں۔ انصاف کرنے میں بادشاہ اور افسر محض شہادت پر ہی اکتفا نہ کرتے۔ بلکہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے اپنے اُوپر تکلیف برداشت کر کے اپنے دل و دماغ اور جسم کے ذریعہ اصلیت کا پتہ لگا کر انصاف کو مدنظر رکھتے۔ اور رعایت رشتہ داری یا کسی کی حُسن خدمات عدالت کے وقت بالائے طاق رکھدی جاتی تھیں" (اورنگ زیب کی زندگی کا روشن اور اصلی پہلو صفحہ ۶۲۔۶۴)

جنوبی ہند (دکن) کے مسلمان حکمرانوں کی بیمثال رواداریاں

یہاں تک تو ہم نے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ شمالی ہند کے مسلمان تاجداروں کی عدیم النظیر اور فقید المثال رواداریوں کے بہت سے درخشاں اور تابناک نمونے پیش کئے۔ اب ذرا دکن یعنی جنوبی ہند کے مسلمان حکمرانوں کی بے تعصبی، وسیع قلبی، فیاضی ہاں حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی فیاضی و رواداری کے متعلق بھی سُن لیجئے۔ اور وہ بھی ہماری زبان سے نہیں۔ بلکہ غیروں کی زبانی، جس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ اسلام کے نام لیوا۔ اور سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے جہاں جہاں بھی پہنچے۔ اور انہوں نے جس جس جگہ بھی حکومت کی۔ نہایت عدل، انصاف، رحمدلی، فیاضی و رواداری سے کام لیا۔ لہٰذا شپرہ چشم اور کوتاہ بین معترضوں کا ان نیک سرشت، فیاض اور روادار بزرگوں پر تنگ دلی و تعصب کا الزام لگانا۔ اور اُنہیں ظالم، قاہر اور جابر بتلانا صد درجہ کی بدطینتی ہے۔

دکن کے فرمانروایان اسلام پر جبر و تشدد کا الزام لگانے والے عوام اور غیر ذمہ وار ہی نہیں۔ بلکہ ذمہ وار اور اعلیٰ پوزیشن کے لوگ بھی ہیں۔ ہم نے

جنوبی ہند یعنی میسور۔ دکن یا مہاراشٹر کے متعلق جس ہندو یا آریہ مؤرخ کی بھی کوئی تاریخ اُٹھاکر دیکھی۔ اس میں ہندو اور آریہ مؤرخوں نے مسلمان بادشاہوں کے فرضی مظالم اور من گھڑت سختیوں کی کہانیاں نہایت آب وتاب اور رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر جسٹس راناڈے کی تصنیف "مرہٹوں کا اُت کرش"۔ لالہ لاجپت رائے جی کی تالیف "سیواجی"۔ بھائی پرمانند کی "تاریخ مہاراشٹر" اُٹھاکر دیکھ لیجئے۔ یہی نہیں اور بھی جس قدر دکن یا مہاراشٹر کے متعلق ان لوگوں نے کتابیں شائع کی ہیں۔ ان سب میں یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ اور بغیر کسی دلیل و برہان کے اسی امر کو اُبھار کر دکھایا ہے۔ کہ مرہٹوں کا اسلامی حکومت کے خلاف اُٹھنا محض اس وجہ سے تھا۔ کہ دکھن اور جنوبی ہند کے مسلمان حکمران حد درجہ کے ظالم، جابر اور جبیرہ دست تھے۔ اور یہ انہی کے مظالم اور سفاکیاں تھیں۔ جو مرہٹوں کے عروج اور مسلمانوں کے زوال کا باعث ہوئیں۔

حالانکہ یہ کہنا سچائی کو کچلنا اور حق کا گلا گھونٹنا ہے۔ اور ہم اللہ کے فضل سے خود انہی لوگوں کی تحریروں سے یہ امر دو اور دو چار کی طرح ظاہر و ثابت کر دکھائیں گے۔ کہ ان کا ہمارے محترم اسلاف پر اس قسم کے ناروا اور دلخراش الزام لگانا۔ سراسر ظلم اور عدوان ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم انہی لوگوں کی تحریروں سے یہ بھی ثابت کر دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ دکھن کی اسلامی حکومت کے اضمحلال اور زوال کا باعث مسلمان تاجداروں کے ظلم وستم نہ تھے۔ بلکہ اُن کے سینہ فگار زوال کا باعث اُن کی چشم پوشیاں، اُن کی فیاضیاں، ان کی وسعت قلبیاں اور اُن کی حد سے بڑھی ہوئی رواداریاں تھیں۔ ہم ٹھوس اور ناقابل تردید تاریخی شواہد کی بناء پر پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں۔ کہ

اگر مسلمان حکمران اپنی فیاضیوں، وسعت قلبیوں اور دریا دلیوں و رواداریوں میں حد سے نہ گذر جاتے۔ تو ان کی حکومت کو ہرگز ہرگز زوال کا مُنہ نہ دیکھنا پڑتا۔ اگر وہ ضرورت سے زیادہ غیر مآل اندیشی سے کام نہ لیتے۔ اگر وہ ضرورت سے زیادہ غیروں پر اعتماد نہ کرتے، اگر وہ ضرورت سے زیادہ اپنے مفتوحوں اور ماتحتوں کو سر نہ چڑھاتے، اُن کے ظرف سے زیادہ اُن پر انعام و اکرام کی بارشیں نہ برساتے۔ تو یقیناً یقیناً نہ تو مرہٹوں کو اُبھرنے، اُٹھنے اور خم ٹھونک کے اسلامی طاقت سے ٹکر لینے کی کبھی خواب میں بھی جرأت ہوتی۔ اور نہ ہی انہیں ملک میں ُہندو راج ُ قائم کرنے کا خیال آتا۔ اور نہ ہی آج اُن احسان فراموشوں کے اخلاف کو ہمارے فیاض و محسن اسلاف کے "مظالم" کے فرضی افسانے تصنیف کرنے کی جرأت ہی پڑتی۔ اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اس کی بنا واقعات پر ہے۔ ہاں ایسے واقعات اور تاریخی شواہد پر ہے۔ کہ جن کی تغلیط کا بڑے سے بڑے معترض کو بھی یارا نہیں ؂

لیکن قبل اس کے کہ ہم ان معترضوں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریروں سے اپنا دعویٰ ثابت کر کے دکھلائیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ہم اپنے محترم ناظرین کو دکھن میں اسلامی عہد سے قبل کے آرین یا براہمنی زمانہ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ اور دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جنوبی ہند کے مسلم تاجداروں پر ظلم و شقاوت کا الزام لگانے والوں کے آریہ بزرگوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر آریہ مفتوحوں اور ماتحتوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ اور اس حصۂ ملک میں مسلمانوں کے آنے سے قبل آریہ فاتحین نے غیر آریہ مفتوحین یعنی دراوڑوں، بودھوں، جینیوں اور دیگر مذاہب اور اقوام سے تعلق رکھنے والوں کو کہاں تک اُن کے جائز مذہبی، مجلسی اور مُلکی حقوق سے متمتع ہونے کا موقعہ دیا؟ اور اُن کے

ساتھ کس طور کی" ہمدردی" "مسالمت" اور" رواداری" برتی ؟ یہ معلوم کرنا اس لئے ضروری ہے۔ کہ جب تک آریہ بزرگوں کا غیر آریوں سے کیا گیا برتاؤ یا سلوک معلوم نہ ہو۔ اس وقت تک شاہان اسلام کی مہربانیوں، نوازشوں، شفقتوں اور رواداریوں کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہو سکتی۔

دکن میں پناہ گزین دراوڑوں سے آریوں کی چھیڑ خانی اور ناجائز قبضہ

ناظرین پہلے پڑھ چکے ہیں کہ جب آریہ فاتحین نے یہاں کے قدیم باشندوں کے املاک پر قبضہ کرکے انہیں بے دست و پا کرکے ملک سے بے دخل کر دیا۔ تو وہ خانماں برباد اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جان بچانے کی خاطر دکن کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں جاکر پناہ لی۔ مگر آریہ بزرگوں کو ان کی جوع الارض کب نچلا بیٹھنے دیتی تھی۔ وہ بھی رفتہ رفتہ دکن کی طرف بڑھے۔ لیکن یہ بڑھنے والے کشتری نہ تھے۔ ویش نہیں تھے۔ شودر نہیں تھے، بلکہ براہمن تھے۔ اور ان براہمنوں نے ہی سب سے پہلے دکھن کے سرحدی مقامات میں جاکر ہون کنڈ بنانے اور یگیہ رچانے کا آغاز کیا۔ مگر جب دکھن پر قابض دراوڑوں نے ان کے اس ناجائز اقدام کو دیکھا۔ تو انہیں اس تصرف بے جا سے روکا۔ مگر یہ کب رکنے والے تھے۔ انہوں نے اصلی مالکوں کی اجازت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہون کنڈ بنانے اور یگیہ کرنے میں اور بھی مستعدی دکھلائی۔ اور اس ڈھٹائی سے دراوڑوں کو اور بھی چڑایا۔ کیونکہ وہ لوگ یگیہ کے سخت مخالف تھے۔ اور انہیں اس بات سے نفرت تھی۔ کہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو بجائے منہ میں ڈالنے کے آگ میں جھونک دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دراوڑوں نے تنگ آکر ان کے ہون کنڈ خراب کرنے اور یگیہ میں ہڈیاں ڈال کر انہیں بھرشٹ کرنے کی ٹھان لی۔

تاکہ پریشان ہو کر یہ بن بلائے مہمان اپنے علاقہ میں واپس چلے جائیں۔ مگر براہمن دیوتا۔ دراوڑوں کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکے۔ اور ان کو مغلوب کرنے کے لئے شمالی ہند کے کھشتری راجاؤں سے طالب امداد ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مہاراجہ دشرتھ والیٔ اجودھیا نے ان لوگوں کی انگیخت اور اکساہٹ یا تحریک سے اپنے دونوں راجکمار (رام لکشمن) کو فوج کے ساتھ بھیج دیا۔ چونکہ ہر دو راجکمار ابھی فن جنگ میں ماہر نہ تھے۔ اس لئے وشوامتر رشی راستہ بھر انہیں جنگی تعلیم دیتے گئے۔ تاکہ یہ لوگ جاتے ہی وہاں کے جائز مالکوں سے ان کا انتقام لے سکیں۔ اور اس جگہ ان براہمنوں کا عمل دخل کروا دیں۔ چنانچہ جب دونوں شہزادے اپنے جنگی بہادروں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ تو معلوم ہوا مقابلہ ایک عورت سے ہے۔ یہ اس پر حملہ کرنے سے ہچکچائے۔ مگر رشی وشوامتر اور دوسرے براہمنوں کی انگیخت اور اکساہٹ پر آخر لاچار ہو کر اس عورت پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ ان کے تیروں سے گھائل ہو کر مر گئی۔ اور اس کے ساتھی یا ہمقوم جو اس علاقہ میں بود و باش رکھتے تھے تتر بتر ہو گئے۔ اس دردناک اور ہوشربا واقعہ کو سنکر اس کے رشتہ دار یا حمایتی "ماریچ" اور "سوباہو" اپنے دل کے ساتھ آ پہنچے۔ اس پر زور کا رن پڑا۔ اور بقول مسٹر بندھو۔ اس جنگ میں ملک کے اصل باشندوں کو بہت بڑا نقصان پہنچا۔ اور "سوباہو" مارا گیا۔ یہ دیکھ کر "ماریچ" بچے کچھے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر وہ علاقہ چھوڑ گیا۔ اور مجبوراً اسے ونڈک آرمینہ (مہاراشٹر) میں جا کر اقامت اختیار کرنا پڑی۔ اس طرح بھگوان رامچندر نے شمالی ہند (کے سرحدی) راکھشسوں سے رہائی دلا کر بھاری شہرت حاصل کی۔" (بھارت ورش کا اتہاس جلد اول ص۲۴۴)

جب آریہ بزرگوں نے ہون کنڈ اور یگیہ کی آڑ پکڑ کر ان بیچارے دراوڑوں

کو سرحدی مقامات سے بھی نکال دیا۔ تو پھر بھی ان کی آتش حرص ٹھنڈی نہ ہوئی اور یہ آہستہ آہستہ اور آگے بڑھے۔ اور سرحدی مقامات کو پار کر کے دکھن میں جا گھسے۔ اور وہاں بھی ہون کنڈ بنانے اور یگیہ کرنے شروع کر دئے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ دراوڑوں نے تنگ آکر پھر ان کی اس بے جا مداخلت کے خلاف آواز اُٹھائی۔ ان کی یگیہ شالائیں اور ہون کنڈ توڑنے شروع کئے۔ تاکہ یہ واپس چلے جائیں۔ مگر یہ واپس جانے والے نہ تھے۔ ان کا تو منتہائے مقصود سارے دکن کو اپنے قبضہ واقتدار میں لانا تھا[۹]۔ آخر جب یہ دکن پہنچ گئے۔ تو دراوڑوں نے بھی مجبور ہو کر ہتھیار اُٹھائے۔ اور ان کو جنگ کے لئے للکارا۔ جس پر جنگ چھڑ گئی۔ ایک دوسرے کے گلے کاٹے گئے۔ مگر نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ براہمن مقابلہ کی تاب نہ لاکر بظاہر خاموش ہو گئے۔ اور در پردہ شمالی ہند کے کشتریوں کو اپنی اعانت کے لئے بُلاوے بھیجے۔ مگر اسی دوران میں بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا شری رامچندر جی مہاراج کو اپنی سوتیلی والدہ کی بدولت بن باس اختیار کرنا پڑ گیا۔ اور وہ اپنی سعادت مندی کے اظہار کے لئے گھر بار تیاگ کر جنگلوں بیابانوں کی طرف چل پڑے۔ صحرانوردی کرتے ہوئے ایک جگہ شری رامچندر جی کی اگستیہ رشی سے ملاقات ہو گئی۔ تب اگستیہ مُنی نے آپ کو ان اناریوں اور راکھشسوں کو مغلوب کرنے اور دکھن پر اپنا اقتدار قائم کرنے کیلئے اُبھارا۔

---

[۹] کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ آج قرنہا قرن کے گذر جانے کے بعد پھر "آریہ ویروں" نے حکومت آصفیہ کو اناریہ راجیہ سمجھ کر رامچندر دہلوی کی قیادت میں وہی پُرانا ہون کنڈ اور یگیہ کا بہانہ بنا کر دھرم یُدھ چھیڑ دیا۔ اور شمالی ہند کے "آریہ ویروں" کو بھڑکا کر ہزاروں کی تعداد میں وہاں جا پہنچے۔ (احمدی مہاجر)

آخر بہت سی ردّ و قدح کے بعد وشرتھ کے دُلارے پرشوتم شری رامچندر جی مہاراج اگستیہ رشی کی تحریک اور ایماء پر دکھن کے علاقہ دنڈک آرنیہ جسے اب مہاراشٹر کہتے ہیں جا پہنچے۔ وہاں جاکر کیا کچھ ہُوا۔ یہ بھائی پرمانند جی کی زبان سے ہی سُنتا جاتے تو اچھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :۔

" رامائن پولیٹیکل طور پر شمالی ہند اور دکن کی جدوجہد کو بیان کرتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ شمالی ہند کے آریہ دکن گئے۔ وہاں کے رہنے والوں (دراوڑوں) نے جنھیں آریہ لوگوں نے راکھشس وغیرہ نام دئے (تھے) علوم وفنون میں ترقی کی ہوئی تھی۔ اور اپنی تہذیب رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو رامچندر کا دکن میں آکر رہنا اور رعب داب جمانا گوارا نہ تھا۔ دکنی لوگ اسے شمالی ہندیوں کی ناجائز مداخلت خیال کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے رامچندر کی ترقی (پیش قدمی) روکنے کی کوشش کی۔ (مگر) شری رامچندر نے اپنی طاقت کے بھروسہ پر اور نیتی (سیاسی چال یا ڈپلومیسی) برت کر اُن میں سے ہی اپنے ساتھی اور مددگار پیدا کئے۔ اور اس زمانہ کے معیار کے مطابق ان کو فتح کیا۔ دوسرے لفظوں میں اُن کو آریہ دھرم اور تہذیب قبول کرنے پر مجبور کیا۔"

(تاریخ مہاراشٹر صلا)

جب دکن پر آریوں کا قبضہ ہوگیا۔ تو اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔ کہ ان مہذّب، متمدّن اور آزاد مشرب لوگوں کو مجبور کرکے اپنا ہم عقیدہ بنا لیا جاتا۔ اور زبردستی اپنی تہذیب، تمدّن اور مذہب اُن پر لادے جاتے۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ اُن قسمت کے ہیٹوں کو ان کا غلام بننا ہی پڑا۔ اور خوشی

سے نہیں، بلکہ دباؤ اور جبر سے اپنے فاتحوں کا مذہب اختیار کرنا پڑا۔ مگر چونکہ وہ آریہ دھرم قبول کر لینے پر بھی براہمن، کشتری یا ویش نہیں بنائے گئے۔ اس لئے انہیں شودر نام دیا گیا۔ اور جو اعلیٰ فرائض براہمنوں اور کشتریوں کے لئے مخصوص تھے۔ اُن سے انہیں محروم ہی رکھا۔

مذہبی اختلاف سے بھڑک کر آریہ ویر دوسروں کو مفتوح بنایا کرتے تھے

چونکہ بقول پنڈت جے دیو ودیا النکار "**مذہبی اختلاف سے بھڑک کر آریہ ویر ہمیشہ غیر مذاہب والوں کو اپنے سے نیچ، قابل نفرت اور حقیر سمجھ کر اُن کو مفتوح بناتے تھے۔**" (رسالہ تیاگ بھومی اجمیر)

اس لئے یہ "آریہ ویر" بوجہ نفرت اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی مفتوح ان کا ہم پلہ بن جائے۔ اس لئے انہوں نے غیر آریوں کو جبراً آریہ دھرم میں داخل کر کے بھی تپسیا کرنے سے روک دیا۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ کہیں یہ "کمینے"۔ "قابل نفرت" اور "نیچ" مفتوح، عبادت کے ذریعہ سؤرگ یا بہشت حاصل نہ کر لیں۔ جو کہ براہمن اپنے لئے ہی مخصوص سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کوئی شودر ایسا کرتا پایا گیا۔ اُسے بلا تامل موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

شری رام کے ہاتھوں شودر کو عبادت کرنے کے جرم میں قتل کی سزا ملی۔

چنانچہ دکھن ہی کا ایک واقعہ رامائن میں مذکور ہے۔ کہ ایک دفعہ کامٹی یا ناگپور کے قریب ایک شودر کو تپسیا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا۔ جس کی اطلاع براہمنوں نے شری رامچندر جی کو پہنچائی۔ جس پر بقول شری پت یوگیندر ناتھ شیل

"چونکہ اُس وقت شودروں کو دھارمک فرائض بجا لانے کی اجازت نہ تھی۔ جو ہندو شاستروں میں درج ہیں۔ (اس لئے) رام وہاں گئے اور اس شودر کو مار ڈالا۔"

(مدھیہ پردیش اور برار کا اتہاس ص۳۱)

ناظرین نے ان واقعات سے معلوم کر لیا ہوگا۔ کہ یہ آریہ فاتحین۔ کس قسم کے دل، دماغ اور ذہنیت رکھنے والے تھے۔ اور یہ لوگ بقول آریہ سماجی پنڈت کے محض مذہبی اختلاف سے بھڑک کر کس طرح دوسروں کو "نیچ" "قابل نفرت" اور حقیر سمجھتے تھے۔ اور اپنا غلام بنا کر بھی اُنہیں اس قابل نہ جانتے تھے۔ کہ وہ خدا کی عبادت کر کے اس کا قرب و عرفان حاصل کر سکیں۔

مگر افسوس کہ آج اُنہی "آریہ ویروں" کی اولاد۔ توحید کے علمبرداروں پر جبر، تنگ دلی، تعصب اور عدم رواداری کا الزام لگانے سے مطلق نہیں ہچکچاتی۔

دکن میں برہمنوں نے سارا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

چونکہ دکھن کو مفتوح و مغلوب کرنے کا خیال سب سے پہلے براہمنوں ہی کے دل میں پیدا ہوا اور وہی طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے وہاں کے دراوڑوں کو آمادۂ جنگ کرتے تھے۔ اور آخر کار انہی آریہ ویروں کے ہاتھوں دراوڑوں کو ناکامی اور پھر غلامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور جب کشتریوں کے ذریعہ دکن فتح ہوگیا۔ تو اس وقت وہاں کی حکومت کشتریوں کو نہیں ملی۔ بلکہ براہمن ہی سب جگہ پردھان بن گئے۔ اور جہاں کہیں غیر براہمنوں کو راجہ بنایا بھی گیا۔ تو ساتھ ہی مذہبی اور سیاسی اقتدار براہمنوں نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ شمالی ہند میں تو براہمنوں نے

چار طبقے قائم کئے تھے۔ یعنی براہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر۔ مگر دکھن میں جا کر اپنی بڑائی اور عظمت کا کچھ ایسا جنون سوار ہوا۔ کہ شمالی ہند کے برعکس دکن

دکھن میں صرف دو فریق براہمن اور شودر رہ گئے

میں صرف دو ہی فریق تجویز کئے۔ یعنی براہمن اور شودر، کشتری اور ویش کا درجہ صاف ہی اڑا دیا۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جہاں کہیں کوئی بچا کھچا کشتری اور ویش تھا بھی۔ وہ بھی دکن میں شودر ہی سمجھا گیا۔ اور دکن کے غیر براہمنوں یعنی شودروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا گیا۔ جو منوسمرتی میں درج ہے۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ شمالی ہند میں تو براہمنوں نے صرف مذہبی اقتدار ہی اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ مگر دکن میں آکر سیاسی اور اقتصادی طاقت بھی اپنے قابو میں کر لی۔ حالانکہ شمالی ہند میں وہ سپہ گری۔ زراعت صنعت حرفت اور تجارت کے مجاز نہ تھے۔ مگر دکن میں آکر ہر ایک چیز اپنے لئے مخصوص کر لی۔ اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں بلکہ لالہ لاجپت رائے جی بھی اس کی بایں الفاظ تائید کرتے ہیں :—

لالہ لاجپت رائے کا بیان کہ دکن میں براہمنوں کو ہر قسم کا اقتدار حاصل ہو گیا

"شمالی ہند کے رہنے والوں نے جہاں عقل اور مذہب کے میدان میں براہمنوں کی برتری تسلیم کی۔ وہاں اقتصادی میدان میں اُنہیں دوسروں کا محتاج بنا دیا۔ اپنی جاتی میں رہ کر کوئی بھی براہمن نہ تو زمین کا مالک بن سکتا تھا۔ اور نہ زراعت کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی کسی اور دھندے میں پڑ سکتا تھا۔ اگر وہ ان میں سے کچھ بھی کرتا تو اُسے اپنی جاتی کھو دینی پڑتی تھی۔ لیکن دکھن میں براہمنوں نے عقل اور مذہب کے علاوہ دھن دولت وغیرہ

سبھی چیزوں کا اقتدار اپنے ہاتھ میں کرلیا۔ اگر سچ پوچھا جائے۔ تو اس نقطۂ نظر سے (یعنی زراعت وغیرہ کرنے سے) براہمن اور شودروں میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور اس وقت جبکہ حاکمانہ اقتدار غیر براہمنوں کے ہاتھ میں دیا گیا۔ تب بھی کاروبار حکومت اور سیاست کی حقیقی طاقت تو براہمنوں کی ہی چیز تھی۔ اس طرح براہمن روحانی اور مادی طاقت دونوں کے مالک بن گئے۔ اور اپنے حاکمانہ اقتدار اور برتری کو زیادہ سے زیادہ بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ فیوڈل یورپ کو چھوڑ کر اور کہیں بھی ایسی طاقت کا وجود نہیں ملتا۔ دکھن کا براہمن ایک غیر معمولی انسان بن گیا۔ اور اس کی جاتی غیر معمولی انسانوں کی جاتی بن گئی۔ جو قاعدے اور قانون غیر براہمنوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے۔ وہی قاعدے اور قانون براہمنوں کے بارہ میں خاموش رہتے تھے۔ کسی کا براہمن خاندان میں جنم لینا ہی اس کی شرافت وعظمت کے لئے کافی تھا۔ وہ اپنے بلند مقام سے قانون اور سیاست کو بڑی موج اور من مانے طریقہ سے چلا سکتا تھا۔ مجھے تو شک ہو رہا ہے کہ دکن کے براہمنوں نے اپنے ہاتھوں منوسمرتی میں کئی بار ردّ وبدل کئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج کل کی مروجہ منوسمرتی دکن میں بنی ہے۔ وہ قابل اور دور اندیش عالموں کی سندر تالیف ہے۔ اسلامی عہد میں اور کم از کم شنکر آچاریہ کے بعد تو ہندو دھرم، ہندو ویدانت، اور ہندو پورانوں کا نیتر تو (قیادت) دکن ہی کے ہاتھوں میں رہا ہے۔ اسی زمانہ کا تمام ہندو لٹریچر کیا نیائے (منطق) کیا پُران اور کیا ویدانت دکھنی اثرات سے متأثر ہے۔ موجودہ منوسمرتی میں

براہمنوں کی بلندی وعظمت کا مکن ہے، یہی اصلی باعث ہے۔"

(رسالہ تیاگ بھومی اجمیر ورش ۲ کھنڈ ۲ نمبر ۵ صفحہ ۲۶۷-۲۶۸)

چونکہ زمانۂ قدیم کی کوئی ایسی تاریخ دنیا میں موجود نہیں۔ کہ جس سے ہم معلوم کر سکیں۔ کہ آریہ فاتحوں نے اپنے دکنی مفتوحوں سے کس قسم کا سلوک روا رکھا اس لئے آریہ سماج اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر کے محولہ فوق بیان کی روشنی میں قارئین کرام معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ دکن کو فتح کرنے کے بعد اس کے براہمن فاتحوں نے اپنی مفتوح، مغلوب اور مقہور رعایا سے کس قسم کا سلوک کیا۔ اور کس طرح اُس کی آزادی ہتیا لینے کے بعد اُسے اپنا جبری غلام بنایا۔ اور غلام بنا لینے پر بھی اُسے ہر قسم کے ملکی، مجلسی اور مذہبی حقوق سے محروم کر دیا۔ اور تمام اختیارات اپنے قابو میں کر لئے۔ جب یہ مسلمہ امر ہے اور تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔ کہ دکن میں براہمنوں نے باقی تمام لوگوں کو شودر ٹھہرا دیا۔ تو آئیے اب دیکھیں کہ ان کے مذہبی اور ملکی آئین نے شودروں کے لئے کیا کچھ فرائض قرار دئے؟

چونکہ براہمنی آئین کے لئے سب سے اہم، مقدم اور مسلّم کتاب منوسمرتی ہی سمجھی گئی ہے۔ اس لئے ہمارے واسطے منوسمرتی کی ورق گردانی ہی کافی ہوگی اور اسی سے پتہ لگ جائے گا۔ کہ براہمن فاتحوں نے اپنے شودر مفتوحوں سے کس قسم کا سلوک روا رکھا۔ اور اپنے لئے کیا کچھ چاہا۔ اور ان "آریہ ویروں" کی مسالمت و رواداری کی حقیقت معلوم کرنے کا اس سے معتبر اور مستند اور کوئی ذریعہ بھی نہیں۔

امید ہے۔ کہ معزز ناظرین منوسمرتی کے مندرجہ ذیل اقتباسات کا پوری توجہ اور غور سے مطالعہ کریںگے۔

دکھن کے آریہ فاتحین کا اپنی مفتوح رعایا سے انسانیت سوز سلوک

منوسمرتی ادھیائے اول شلوک ۸۷ تا ۹۰ میں براہمنوں۔ کشتریوں اور ویشوں کے مختلف فرائض بتلانے کے بعد شلوک ۹۱ میں شودر کا صرف یہ فرض قرار دیا ہے کہ :-

(۱) " شودر کے لئے ایک ہی کرم (کام) پربھو (خدا) نے ٹھہرایا ہے۔ یعنی صدق دل سے ان تینوں (براہمن وغیرہ) ورنوں کی خدمت کرنا "

اسی کتاب کے دوسرے ادھیائے کے شلوک ۳۱ میں لکھا ہے۔ کہ :-

(۲) " براہمن کے نام میں لفظ منگل یعنی خوشی۔ اور کشتری کے نام میں بَل یعنی طاقت۔ اور ویشیہ کے نام میں لفظ دھن یعنی دولت اور شودر کے نام میں لفظ نند یعنی تحقیر شامل کرنا چاہیئے "

پھر اسی دوسرے ادھیائے کے شلوک ۲۴ میں حکم دیا گیا ہے۔ کہ :-

(۳) " براہمن، کشتری، ویشیہ تدبیر کے ساتھ اس ملک (ہند) میں رہیں اور شودر بوجہ تکلیف معاش چاہے جس ملک میں رہیں "

(۴) شودر کو صلاح نہ دے۔ سوائے (اپنے غلام) کے اور شودروں کو جھوٹا اَن نہ دے۔ جو ہبیتہ ہَون سے بچ رہا ہے۔ وہ شودر کو نہ دے۔ اور دھرم اور برت کا اُپدیش بھی شودر کو نہ دے " (منو ۴؍۸۰)

(۵) " جس راجہ کے دھرم کا وچار شودر کرتا ہے۔ اس راجہ کا راج اس

کے دیکھتے ہی مٹ جاتا ہے۔" (منو ۸/۲۱)

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ امور سلطنت (راج دھرم) میں شودر کو شریک ہی نہ کیا جائے۔

(۶) "براہمن سے فی صدی دو روپیہ۔ کھشتری سے تین روپیہ ویش سے چار روپیہ۔ شودر سے پانچ روپیہ سود ماہواری لیوے۔" (منو ۸/۱۴۲)

کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ جو سب سے زیادہ کنگال اور محتاج ہے۔ اُسے باقی تمام ذات والوں سے زیادہ شرح سود پر قرض دیا جائے۔ جس کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں۔ کہ شودر ہر طرح کچلے اور پیسے جائیں اور انہیں پنپنے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

(۷) "اگر کشتری کسی براہمن کو چور کہے۔ تو سو پن (ایک سکہ) ڈنڈ (جرمانہ) دیوے۔ اور اگر ویشیہ ایسی بات کہے۔ تو ڈیڑھ سو یا دو سو پن ڈنڈ دیوے۔ اور اگر شودر ایسی بات کہے۔ تو قطع عضو کے لائق ہے۔" (منو ۸/۲۶۷)

(۸) "اگر براہمن سخت بات مرقومہ بالا (چور) کشتری کو کہے۔ تو پچاس پن ڈنڈ دیوے۔ ویشیہ کو کہے تو پچیس پن ڈنڈ دیوے۔ شودر کو کہے تو بارہ پن ڈنڈ دیوے۔" (منو ۸/۲۶۸)

(۹) "اگر شودر یعنی جاہل خدمتگار، عالم، سپاہی اور بیوپاری (براہمن کشتری۔ ویش) سے سخت کلامی سے پیش آئے۔ تو اس کی زبان چھید کرنے کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ جن لوگوں کی خدمت کے واسطے مقرر ہوا ہے۔ بجائے ان کی خدمت کرنے کے ان کی توہین کرتا ہے۔" (منو ۸/۲۷۰)

(۱۰) "جو شودر (اے فلاں براہمن سے نیچ!) ایسا بلند آواز سے براہمن وغیرہ کے نام اور ذات کو کہے۔ تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی میخ آہنی جلتی ہوئی ڈالنا چاہیئے" (منو ۸/۲۷۱)

(۱۱) "جو شودر براہمنوں وغیرہ کو غرور سے دھرم کا اپدیش کرنے والا ہو۔ اس کے منہ اور کان میں گرم تیل راجہ ڈالے"

(۱۲) "جو شودر براہمن کے بال و پاؤں اور ڈاڑھی و گلا و فوطہ وغیرہ کو غرور سے پکڑنے والا ہو۔ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہیئے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس کو تکلیف ہوگی" (منو ۸/۲۸۳)

(۱۳) "برہما نے شودر کو براہمنوں کی خدمت کے واسطے بنایا ہے۔ اس واسطے خواہ شودر خریدا ہؤا یا ملازم ہو۔ خواہ ملازم نہ ہو۔ اس سے برابر کام لینا چاہیئے" (منو ۸/۴۱۳)

غالباً اسی کے ماتحت بیگار کی رسم جاری ہوئی ہوگی۔

(۱۴) "اپنی عورت کے لڑکے و غلام (شودر) یہ سب جس دولت کو جمع کریں۔ وہ سب دولت ان کے مالک کی ہے۔ اور یہ اس کے حقدار مالک کی زندگی میں نہیں" (منو ۸/۴۱۶)

(۱۵) "براہمن۔ داس شودر سے دولت لے لیوے۔ اس میں کچھ بچار (غور) نہ کرے۔ کیونکہ وہ دولت کچھ اس (شودر) کی نہیں ہے۔ وہ بے زر ہے۔ وہ جو دولت فراہم کرے۔ اس دولت کا مالک اس کا سوامی ہے" (منو ۸/۴۱۷)

جن لوگوں پر براہمنوں کا زیادہ عتاب نازل ہؤا۔ انہیں شودروں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار کیا گیا۔ اور شودر کی بجائے چنڈال نام دیا۔ ان کے متعلق *

قانون بنایا کہ :-

(۱۶) "چانڈال و شوپچ (بھنگی - چمار وغیرہ) یہ دونوں (قومیں) گاؤں کے باہر قیام کریں۔ برتن وغیرہ سے محروم رہیں۔ اُن کی دولت سگ و خر ہے۔" (منو ادھیائے ۱۰ اشلوک ۵۱)

(۱۷) "یہ مُردے کے کپڑے پہنیں۔ پھوٹے ہوئے برتن میں بھوجن کریں۔ زیور آہنی زیب بدن کریں۔ ہمیشہ گشت کرتے رہیں۔" (منو ۱۰/۵۲)

(۱۸) "دھرما تما آدمی ان لوگوں کو دیکھیں بھی نہ۔ یہ بیاہ وغیرہ آپس ہی میں کریں۔" (منو ۱۰/۵۳)

(۱۹) "ان لوگوں کی خوراک دوسرے کے اختیار میں ہے۔ انہیں پھوٹے برتن میں اَن دینا چاہیئے۔ اور یہ لوگ بوقت شب گاؤں و شہر وغیرہ میں پھرنے نہ پاویں۔" (۱۰/۵۴)

(۲۰) "یہ لوگ نشان ذات سے مشمول (اپنی کوئی ایسی نشانی ساتھ رکھیں جس سے معلوم ہو کہ یہ بھنگی چمار ہیں) ہوکر بحکم راجہ ملک کے کام کرنے کے واسطے دن میں پھریں۔ اور جس مُردہ کا کوئی رشتہ دار نہ ہو اس کو لے جاویں۔ یہ شاستر کا قاعدہ ہے۔" (منو ۱۰/۵۵)

(۲۱) "اگر نیچ ذات یا کم لیاقت والا آدمی لالچ سے بڑی لیاقت والوں کے کام سے گذارہ کرے۔ تو راجہ اس کی تمام دولت ضبط کرکے ملک سے باہر نکال دے۔" (منو ۱۰/۹۶)

(۲۲) "شودر طاقت رکھنے پر بھی دولت جمع نہ کرے۔ کیونکہ شودر کے پاس دولت ہو جانے سے وہ براہمنوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔" (منو ۱۰/۱۲۹)

منوسمرتی سے اور بھی بہت سے مقامات نقل کئے جا سکتے ہیں مگر فی الحال یہی کافی ہیں۔ اب چند حوالے دیگر کتب کے بھی ملاحظہ ہوں۔ بنچ ونش براہمن ۳ $\frac{1}{11}$ میں لکھا ہے۔ کہ :-

(۲۳) " شودر اگر امیر بھی ہو۔ وہ سوائے غلام کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کا کام صرف اپنے سے بڑوں کے پاؤں دھونا ہے "

(۲۴) " شودر اگر وید کو سن لے۔ تو سیسہ اور لاکھ اس کے کان میں بھر دینا چاہیئے۔ اگر وہ وید کی تلاوت کرے۔ تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیئے۔ اور اگر وہ وید منتر یاد کرلے تو اس کو قتل کر دینا چاہیئے " (اخبار آریہ متر آگرہ شتابدی نمبر ص۳۵)

اسی طرح اتری سمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۱۹ میں لکھا ہے کہ :-

(۲۵) جپ۔ ہوم وغیرہ براہمنوں کے کام اگر شودر اختیار کرے۔ تو راجہ شودر کو قتل کر دے۔ وجہ یہ کہ پانی کی لہر جس طرح آگ کو فنا کر دیتی ہے۔ اسی طرح (شودر کا) یہ جپ اور ہوم کرنا ساری سلطنت کو تباہ کر ڈالتا ہے "

اسی طرح آپستنبہ سمرتی میں لکھا ہے۔ کہ

(۲۶) " براہمن کے احکام بجالانے والے شودر کو زمین پر ہی کھانے کے لئے اَن دینا چاہیئے۔ وجہ یہ کہ جس طرح کتا ہے۔ ویسے ہی شودر بھی ہے " (شلوک ۳۴)

اسی طرح گوتم سمرتی ادھیائے ۱۲ میں لکھا ہے۔ کہ :-

(۲۷) " شودر اگر کسی دوئی جاتی (براہمن وغیرہ) کے متعلق توہین آمیز کلمات

بولے - اور سختی سے حملہ کرے - تب وہ جس عضو سے حملہ کرے - راجہ اُس کے اسی عضو کو کٹوا ڈالے - اور بڑوں کی عورتوں سے اگر مباشرت کرے - تو اس کا لنگ کٹوا دے - اور اگر وہ خود ہی مر جائے - یا اپنی کسی طرح حفاظت کر لے - تو اس کا زیادہ سے زیادہ دسزا یہ ہے - کہ راجہ اس کو قتل کر دے ۔" (")

(۲۸) " شودر اگر وید کو سُن لے - تو راجہ سیسے اور لاکھ سے اس کے کان بھر دے - وید منتروں کا اُچارن (تلاوت) کرنے پر اس کی زبان کٹوا دے - اور اگر وید کو پڑھے - تو اس کا جسم ہی کاٹ ڈالے ۔" (")

(۲۹) " بیٹھنے لیٹنے - کلام - راستہ وغیرہ امور میں اگر شودر (اعلیٰ ذات والوں) برابری کرے - تو ۱۰۰ روپیہ جرمانہ کرے ۔" (")

(۳۰) " شودر کو پڑھانے والا چنڈال ہوتا ہے ۔" (گوتم سمرتی ادھیائے ۱۲)

اس مختصر سے رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں - کہ اس قسم کے حوالجات اور بھی لکھے جائیں [1] مگر یہ دکھانے کے لئے کہ دکن کے براہمن فاتحین نے اپنی مفتوح رعایا کو شودر بنا کر جو کچھ ان سے سلوک کیا تھا - وہ اسی تعلیم کے مطابق تھا - جو کہ اوپر درج ہو چکی ہے - اب ناظرین خود ہی اندازہ لگا لیں - کہ جن لوگوں نے دکن کے قدیم باشندوں کو جو کہ امن پسند، مہذب، علم دوست، مالدار اور ہر رنگ میں ترقی یافتہ تھے - ان کو تلوار کے زور سے مغلوب بنا کر کیسی گت بنائی؟

---

[1] تفصیل کیلئے ہمارا رسالہ "وید شاستر اور اچھوت اُدّہار" دیکھا جائے - کہ جس میں اس قسم کے ساڑھے تین سو حوالجات جمع کر دئے ہیں ۔ احمدی مہاجر

اور ان کی کتنی دردناک حالت کردی؟ تعلیم سے اُنہیں محروم کردیا، مال جمع کرنے سے انہیں روک دیا، اراضی خریدنے یا اس پر قبضہ کرنے سے انہیں منع کر دیا، کاروبار سلطنت سے انہیں ہٹا دیا۔ فوج اور دیگر صیغوں سے انہیں نکال دیا، ان کی تہذیب فنا کردی، ان کا تمدن برباد کر دیا، اُن کی زبان اور ان کا لٹریچر خاک میں ملا دیا، ان کی شاندار روایات اور تاریخی ذخیرہ بھی تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ کیا ان حالات میں کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ قدیم آریوں نے دکن میں حکومت کر کے اپنی مفتوح و محکوم رعایا سے رواداری برتی ہوگی؟

کیا ایک ہرے بھرے ملک پر قبضہ کر لینا، پھر اُس کے آسودہ حال باشندوں کا مال و زر اپنے قبضہ میں کر لینا، ان کی اراضی پر تسلط جما لینا، اور انہیں خانماں برباد اور نان شبینہ تک کا محتاج کر کے اُن کا کتوں کا سا حال کر دینا ہی رواداری ہے؟

کیا جن لوگوں نے اُجاڑ اور ویران ملک کو اپنی مخلصانہ کوششوں سے دھن دھان سے بھرپور، زر و جواہر سے معمور، اور صنعت و حرفت کی بدولت مشہور کر دیا تھا ایسے جفاکش، محنتی، ہنرمند اور امن پسند باشندوں کو شودر کا لقب دیکر اپنا غلام بنا لینا۔ اور ان کی کمائی کو اپنی پدری وراثت سمجھ کر ہڑپ کر لینا ہی رواداری ہے؟ کسی بے قصور قوم کو تعلیم سے محروم، زراعت سے محروم، تجارت سے محروم، سپہ گری سے محروم، روپیہ جمع کرنے سے محروم کر دینا ہی وسعت قلبی۔ فیاضی و رواداری ہے؟

اور کیا اسی برتے پر آج اسلام اور شاہان اسلام پر عدم رواداری کا الزام لگایا جاتا ہے؟

خدارا ہمیں بتایا جائے۔ کہ مسلمانوں نے بھی دنیا کے کسی خطہ میں اپنی

مفتوح رعایا پر کس قسم کی پابندیاں عائد کیں؟ اُن کے انسانی، ملکی، مجلسی اور مذہبی حقوق کو تلف کیا؟ اُن کو تعلیم، زراعت، تجارت سے محروم کر دیا؟ ان کی مذہبی آزادی ہتیا لی؟ اُن کی اُمنگوں اور ولولوں کو کچل دیا؟ انکی تہذیب مٹی میں ملادی؟ ان کا تمدن فنا کر دیا؟ ان کا لٹریچر برباد کر دیا؟ ان کا تاریخی ذخیرہ نابود کر دیا؟

جو لوگ دکن کے مسلم تاجداروں پر ظلم و شقاوت کا بہتان باندھتے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ مسلمانوں کے دکن میں پہنچنے سے پہلے اُن کے بزرگ آباء، وہاں کے باشندوں کے ساتھ کیا کچھ کر چکے تھے؟ آریہ فاتحوں نے اپنی دراوڑ رعایا کے ساتھ جس قسم کا سفاکانہ سلوک کیا۔ وہ ایسا اندوہناک اور بربادی بخش ہے۔ کہ اس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے تھوڑا ہے۔ اور ان لاکھوں بے زبانوں کی حالت زار پر جتنا بھی رویا جائے کم ہے۔

ان کی حالت زار پر آنسو بہا لینے کے بعد اب ہم یہ بتلاتے ہیں۔ کہ جب ان کس مپرس، لاچار اور غلامی کی خاردار زنجیروں میں جکڑے ہوئے بے زبان انسانوں کے نالہ و شیون، آہ و بکا انتہا کو پہنچے۔ تو ان کی دادرسی و دستگیری کے لئے شمالی ہند میں مہاتما بدھ پیدا ہوئے اور انہی کے طفیل صدیوں بعد ان لوگوں کو اپنے چیرہ دست فاتحوں کے چنگل سے کسی حد تک[۱] نجات ملی۔

---

[۱] بودھوں اور جینیوں نے ان شودروں کو ذات پات کی بلا سے تو نجات دلائی۔ اور اونچ نیچ کا امتیاز بھی مٹا دیا۔ جس کے باعث یہ اُس ذلت سے بچ گئے۔ جو کہ قدم قدم پر انہیں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ مگر چونکہ بودھ اور جین خدا کے منکر تھے۔ اور ترک لذات اور ترک دنیا کی بھی تلقین کرتے تھے۔ اس لئے شودر جہاں آخرت میں انعام

اس کے کچھ عرصہ بعد مہابیر سوامی کے شاگردوں نے بھی دکن میں جا کر ان کے دکھوں کو کسی قدر ہلکا کیا۔ مگر وا حسرتا! ان بدھوں اور جینیوں کی بدولت چند صدیاں ہی امن سے گذری تھیں۔ کہ اسی دکھن میں سوامی شنکر آچاریہ، جو کہ نمبودری براہمن تھے۔ اُٹھے۔ اور بودھ اور جین دھرم کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ اور انہی کی کوششوں سے دکن میں عدم مساوات کے حامیوں نے پھر زور پکڑ لیا۔ اور بعض کھشتری راجاؤں کی امداد سے پہلے کی طرح پھر وہاں اپنا قبضہ کر لیا۔ اور تسلط جما لینے کے بعد جہاں ان کو از سر نو شودر بنا دیا۔ وہاں انکے حامی و ناصر بودھوں اور جینیوں کو بھی قرار واقعی سزا دی۔ ہاں ایسی سزا دی کہ ان کا وجود ہی مٹا کر رکھدیا۔

ان لوگوں نے دکھن میں بودھوں اور جینیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا۔ اس کی تفصیل تو وقت چاہتی ہے۔ اس لئے ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے فی الحال صرف چند حوالجات انہی کی کتابوں سے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ اور ناظرین اسی سے اندازہ کر لیں گے۔ کہ جن لوگوں کی بدولت ان دراوڑوں کو تھوڑے بہت حقوق مل گئے تھے۔ اور وہ براہمنوں کی غلامی سے رہائی پا گئے تھے۔ ان کے ساتھ براہمن دیوتا نے کس قسم کا برتاؤ کیا۔ اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴

پانے سے محروم ہو گئے سو وہاں دنیوی ترقی بھی بند ہو گئی۔ کیونکہ بھکشو اور تارک الدنیا بن کر دنیوی ترقی محال تھی۔ لیکن تاہم اس اندوہناک اور انسانیت سوز برتاؤ سے ضرور بچ گئے۔ جو منو کے احکام کے ماتحت ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور جب مسلمان دکن میں گئے۔ تو ان لوگوں کو جہاں مساوات حاصل ہوئی۔ وہاں دنیا و آخرت بھی سنوارنے کے تمام ذرائع بغیر کسی دقت کے حاصل ہو گئے۔ احمدی مہاجر

اپنے زیر اثر راجاؤں کو بھڑکا کر کس طرح ان کو پامال کیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا۔ اور وہ بھی صرف اس جُرم کے بدلہ میں کہ انہوں نے کیوں اُن کے داس اور غلام شودروں کو آزاد کروایا۔ اور انکو انسانیت سے لذت آشنا کیا۔

دکھن میں بودھوں اور جینیوں سے ویدک دھرمیوں کا قلب پاش سلوک

پنڈت لیکھرام کی گواہی

آریہ سماج کے مشہور ودوان۔ پنڈت لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر ص۱۸۵ میں لکھا ہے۔ کہ جب

(۱) "(شنکر آچاریہ نے) کمر ہمت باندھی۔ اور ششوں (شاگردوں) کو ساتھ لے کر بودھوں سے شاسترارتھ (مناظرات) کرنا شروع کیا۔ بھلا ناستک (منکر وید) لوگوں کے دلائل و یکتیاں (براہین) وید اور شاستر کے جاننے والے کے سامنے کیا اثر کر سکتی ہیں۔ ایک دو خاص مقامات میں فتح یاب ہونے کے سبب شنکر سوامی کا آوازہ بلند ہوگیا۔ بہت سے راجاؤں نے ویدک دھرم قبول کر لیا۔ ۱۰۔ ۱۲ سال کے اندر ہی شنکر آچاریہ کے سبب تمام ملک میں بودھوں کے ہاں ہل چل پڑ گئی۔ شنکر آچاریہ کے مباحثوں میں یہ شرائط ہوتی تھیں۔ (۱) جو ہار جائے یعنی مباحثہ میں شکست کھائے۔ وہ دوسرے کا دھرم قبول کرے۔ (۲) اگر سادھو ہو تو چیلا یعنی سنیاسی کا شاگرد ہو جائے۔ (۳) اگر دونوں نامنظور ہوں۔ تو ملک آریہ ورت کو چھوڑ جائے۔ ان تینوں شرطوں کے سبب کروڑوں بدھ اور جین پھر ویدک دھرم میں آئے۔ اور پرائشچت (کفارہ) کروائے۔ ان کو

شنکر سوامی نے گائیتری بتلائی۔ اور یگیو پویت پہنائے جو ہٹ دھرمی تھے۔ اور تعصب کی آگ میں جل رہے تھے۔ اس قسم کے لاکھوں آدمی آریہ ورت سے جلاوطن کئے گئے۔ راجگان کی طرف سے کشمیر۔ نیپال۔ کیپ کماری۔ سورت بنگال وغیرہ ہند کے سرحدی مقامات پر سنیاسیوں کے مٹھ بنائے گئے۔ اور وہاں فوج بھی رہی۔ تاکہ جو بودھ لوگ خارج کئے جاویں وہ پھر واپس نہ آسکیں"۔

"اس کا صاف پرتیکش (بیّن) ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان میں سے تو وہ دھرم پیدا ہوا۔ اور ایک وقت سارا ہندوستان بودھ تھا۔ مگر اب ہند میں اس مت کا ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا"۔

"جینی لوگ اب بھی ہند میں بہت ہی کم یعنی ۶-۷ لاکھ ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں۔ جو چھپ چھپا کر کہیں گمنام طور پر رہ گئے تھے"۔

بودھوں کے اخراج کی جو وجہ پنڈت لیکھرام نے بیان کی ہے۔ وہ صرف اپنے بزرگوں پر سے ظلم کا اعتراض دُور کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ کیونکہ کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا۔ کہ بودھ اور جین اپنی خوشی سے ترک وطن کر گئے۔ یا انہوں نے آریوں سے کوئی ایسی شرط کی تھی۔ کہ ویدک دھرم قبول نہ کرنے کی صورت میں وطن چھوڑ جائیں گے۔

چونکہ یہ وجہ فرضی اور غلط ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ بودھوں پر انتہائی ظلم ہوا۔ اور ایسا ظلم کہ ہندوستان کی تمام سرحدوں پر چوکی پہرے بٹھا دئے۔ کہ جن کو آریوں نے طیش میں آکر جلاوطن کر دیا وہ کہیں پھر نہ لوٹ آئیں۔

پروفیسر بالکرشن ایم اے کی گواہی

اس کے بعد ہم ایک اور مشہور آریہ پنڈت پروفیسر بال کرشن ایم۔اے کی گواہی درج کرتے ہیں :-

(۲) "پورانکوں (ہندوؤں) نے بودھوں اور جینیوں کو ملک بدر کرنے اور انہیں کئی قسم کی تکلیفیں پہنچانے اور ان کے مقدس مذہبی مقامات کو مسمار کرنے اور بتوں کو توڑنے کے ساتھ ہی ان کی ہزاروں کتابوں کو بھی ضرور ہی برباد کیا ہوگا۔ جن میں تاریخی کتابیں بھی ضرور ہوں گی۔"

(بھارت ورش کا سنکشپت اتہاس جلد اول ص۱۷)

سوامی پرمانند کی گواہی

سوامی پرمانند، سوامی شنکر آچاریہ کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ :-

(۳) "جب بھٹ پاد (کمارل بھٹ آچاریہ) نے راجہ سُود ہنوا کے درباری جین اور بودھ پنڈتوں کو مباحثہ میں شکست دیدی۔ تو اس وقت یہ حالت دیکھکر سُود ہنوا

" راجہ حیران رہ گیا۔ اور اُسی وقت راجہ نے بھٹ پاد کو اپنا گورو بنا لیا۔ اور اس کے دربار میں جتنے جینی تھے۔ اُن سب کو قید کر دیا۔ اور دوسرے دن راجہ نے ان سب کو قتل کروا دیا۔ اور اپنے ملازموں کو حکم دیا۔ کہ تمہیں جو بھی جینی یا بودھ مت کا پیرو ملے۔ بغیر مجھ سے پوچھے اُسے قتل کر دو (اس طرح) ہزاروں جینی اور بُدھ مت والے قتل کئے گئے۔ اور اس ملک کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور جو بچ رہے۔ انہوں نے

(تلوار کے خوف سے) جین اور بودھ مذہب کو چھوڑ دیا"

(جیون چرتر شنکر آچاریہ ص۳)

رگھوویر شرن ڈبلس کی گواہی

اسی طرح ایک اور آریہ مؤرخ نے لکھا ہے کہ:-

(۴) " شنکر آچاریہ کے زمانہ میں بودھ اور جین مت کو یہاں تک نابود کیا گیا۔ کہ سینکڑوں بُت توڑ ڈالے گئے۔ اور کئی ایک نے اپنے بُت زمین میں گاڑ دئے۔ تاکہ توڑے نہ جائیں آج کل جو ادھر اُدھر بودھوں کے بُت زمین میں گڑے ہوئے ملتے ہیں۔ یہ اُسی زمانہ میں زمین کے اندر گاڑے گئے تھے۔ اس زمانہ میں بُدھ کے جو شکستہ بُت ملے ہیں۔ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شنکر آچاریہ کے زمانہ میں بتوں کو بڑی آزادی سے توڑا گیا" (بھارت ورش کا اتہاس ص۱۶۵)

اسی آریہ مصنف نے اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ انہی دنوں

(۵) "براہمن لوگ جنہوں نے راجاؤں کو اپنے بس میں کر لیا تھا۔ (جرم کرنے پر بھی) سزا سے عام طور پر چھوٹ جاتے تھے۔ سزا کا ہاتھ اُن تک نہیں پہنچتا تھا۔ اس کے علاوہ شودروں کی حالت (بھی) قابل رحم ہو گئی تھی۔ ان پر بڑی سختی سے حکومت ہوتی تھی۔ اور پورانوں کے زمانہ میں (اسلامی عہد سے کچھ پہلے) اور بھی (یہ سختی) مہیب شکل اختیار کر گئی" (" ص۱۷۳)

مشہور مؤرخ ونسینٹ اے سمتھ ایم۔ اے۔ کی تحقیق

رسالہ جین ہتیشی جلد ۱۱ ص۸-۵۴۵ میں مسٹر ونسینٹ اے سمتھ ایم۔ اے کی

ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۳ میں لکھا ہے۔ کہ :-

(۶) "جین مت اور بودھ مذہب کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ دیگر مذاہب کے لوگوں نے بودھوں اور جینیوں کو بہت دُکھ دیا۔ اور ان کو مروا دیا۔ سسانگ تھیرگل نے بودھوں پر جو ظلم کئے۔ ان کا حال ہونٹین سانگ وغیرہ (چینی) ہمعصر مصنّفوں کی تحریروں سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ساتویں صدی میں دکھشن بھارت (جنوبی ہند) میں جین مت پر بھی حملے ہوئے۔ اور جینیوں کو قتل کیا گیا۔ ۱۱۷۴ء تا ۱۱۷۶ء عیسوی میں گجرات کے اجے دیو نامی ایک شیو (ہندو) راجہ نے سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی جینیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کروایا۔ اور اُن کے گورو کو بھی مروا ڈالا۔ اسی طرح اور بھی کئی معتبر ثبوت دئے جا سکتے ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس بے رحمی کے ساتھ جینیوں کو قتل کیا گیا"

دکن میں جینیوں پر انتہائی مظالم

پھر اسی رسالہ میں سمتھ کی ہسٹری کے صفحہ ۵۴ - ۵۵ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ :-

(۷) " یہ بات ہر طرح قابل تسلیم ہے۔ کہ راجہ کوُن سندر و نیدو مارن پانڈیہ جو جین مت میں پیدا ہوُا۔ اور اسی مذہب میں اس کی پرورش ہوئی۔ اور اس کی شادی چول کی ایک شہزادی سے ہوئی۔ ساتویں صدی عیسوی کے درمیان میں اپنی رانی اور

مشہور مہاتما تر وگیان سم بندر کے ذریعہ شیو (ہندو) ہو گیا تھا کہ جس کا چول (دکھن) میں بڑا زور تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ راجہ سندر نے اپنے نئے مذہب میں بڑا جوش دکھایا۔ اور یہاں تک کر گذرا۔ کہ اپنے سابق ہم مذہب جینیوں کو جنہوں نے ہندو دھرم قبول نہ کیا۔ بڑی بے رحمی سے مارا۔ آٹھ ہزار بے گناہ جینیوں کو اس راجہ نے سولی پر چڑھوا کر مروا ڈالا۔ ارکاٹ (دکھن) ٹری وٹور کے مندر کی دیواروں پر اس واقعہ کا حال درج ہے۔ اور اس واقعہ کا ذکر اور بھی کئی کتابوں میں ملتا ہے۔"

پھر اسی رسالہ کے صفحہ ۲۷۶ میں لکھا ہے کہ :-

(۸) "پلور راجہ مہیندر ورمن جو ساتویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شروع میں جینی تھا۔ پھر کسی تامل مہاتما نے اس کو شیو بنا لیا۔ اس راجہ نے شیو ہو کر دکھشن ارکاٹ کے پاٹلی پتر نامی مقام میں ایک بڑے عظیم الشان جین مندر کو برباد کیا۔ اور اس کی جگہ شیو مندر بنوا دیا۔"

یہی نہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے ہم اسی قسم کی اور بھی متعدد تاریخی شہادتیں پیش کر سکتے ہیں۔ جو ویدک دھرمی فاتحوں کی "بردباریوں اور رواداریوں" کے عجیب و غریب نمونے پیش نظر کر دیں۔ مگر عدم گنجائش کے باعث فی الحال حوالہ بالا شہادتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ اور یہ جاننے کے لئے کہ شودروں کو براہمنوں کے پنجۂ ستم سے رہائی دلانے والے بودھوں اور جینیوں کو کس قسم کی عقوبت اور سزا دی گئی۔ اور انہیں کس طرح تہس نہس کیا گیا۔ اور کس بے دردی و شقاوت قلبی کے

ساتھ ان کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ یہ شہادتیں بھی کافی اور وافی ہیں

اب یہ دکھا دینے کے بعد کہ مسلمانوں کے دکن میں جانے کے سے قبل وہاں کی رعایا کیسے کیسے عذابوں اور عقوبتوں میں مبتلا تھی۔ ہم دکھلاتے ہیں۔ کہ دکھن میں جیسے جیسے اسلامی اثر بڑھتا گیا۔ براہمنوں کے مفتوح غلاموں، داسوں اور شودروں کی بھی حالت سنورتی چلی گئی۔ اور وہ لوگ جنہیں براہمن انسان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ لوگ جنھیں اُن کے آقا بلی اور کتے سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ وہ لوگ جنھیں ہر قسم کے حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔ وہ لوگ جنھیں انسانی، ملکی، مجلسی، مذہبی اور اقتصادی الغرض ہر قسم کے حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔ ان اللہ والوں۔ ہاں توحید کے پرستاروں اور مساوات کے علمبرداروں نے کس طرح ان ذلت و ادبار، عقوبت و عذاب میں مبتلا انسانوں کو پستی سے نکالا۔ اُوپر اٹھایا۔ گلے سے لگایا۔ اور ان تمام حقوق سے متمتع ہونے کا موقعہ دیا کہ جن سے وہ صدیوں سے محروم رکھے گئے تھے۔ دکھن کے لنگایت۔ تامل۔ دراوڑ۔ مرہٹے اور دیگر اقوام جو براہمنوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھیں مسلمانوں کی بدولت کس طرح خاک سے اٹھیں، اُبھریں، اور تاریخ ہند میں اپنا نام کر گئیں۔ اور یہ جو کچھ ہُوا مسلمانوں کی طفیل اور ان کی حوصلہ افزائیوں کے صدقہ میں ہُوا۔

پس وہ لوگ جو حق و انصاف کو بالائے طاق رکھکر انتہائی تعصب کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔ کہ دکھن میں اسلامی عہد اہل دکن کیلئے بلائے عظیم ثابت ہُوا۔ دیکھیں اور چشم وا سے دیکھیں کہ دکن کے مسلمان حاکموں نے وہاں کی رعایا کو آریوں کی طرح تباہ و برباد کر دیا یا انہیں فرش سے اُٹھا کر عرش پر بٹھا دیا؟

غلام آقا بن گئے جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ جب دکن میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور اس کی جگہ پانچ نئی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ تو ان پانچ میں سے تین یعنی نظام شاہی۔ برید شاہی اور عماد شاہی کے بانی مبانی پیدائشی مسلمان نہ تھے۔ بلکہ وہ لوگ تھے۔ جو حالت جنگ میں گرفتار ہو کر مسلمان فاتحین کے غلام بنے تھے۔ اور جو بعد ازاں برضاء و رغبت مسلمان ہو کر اپنے مسلمان آقاؤں کے ہم رتبہ ہو گئے۔ اور مسلمان ہو کر وہ تمام حقوق حاصل کر لئے۔ کہ جو کسی پیدائشی مسلمان کو حاصل ہو سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی ترقی میں کسی نے روک نہیں ڈالی۔ انہیں اپنا غلام اور داس سمجھ کر آگے بڑھنے اور ترقی کی منازل طے کرنے سے نہیں روکا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نظام شاہی۔ برید شاہی اور عماد شاہی کے بانی مبانی وقت آنے پر دکن کی مشہور، باجاہ و جلال اور پر شوکت و شان حکومتوں کے والی و سلطان بن گئے ہیں[1]۔

اور ان کے مالکِ تخت و تاج ہو جانے سے کسی ایک مسلمان نے بھی ان کی عظیم الشان کامیابی پر غیظ و غضب کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک نے خواہ وہ سید تھا، پٹھان تھا۔ مغل تھا یا فاتح خاندان کا کوئی معزز ممبر تھا۔ سب نے ان کی اطاعت کی۔ اور انہیں اپنا صاحب، اپنا والی، اپنا آقا، اپنا ولی نعمت، اور اپنا بادشاہ۔ ہاں واجب الاطاعت بادشاہ و سلطان سمجھا۔ اور مرتے دم تک ان کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں میں ڈالے رکھا۔ یہی ہے وہ حقیقی مساوات

---

[1] اس کے لئے دیکھئے۔ جسٹس رانا ڈے کی کتاب مرہٹوں کا اُٹ کرش" ۔ لالہ لاجپت رائے کی کتاب "سیواجی" اور بھائی پرمانند کی "تاریخ مہاراشٹر" ۔ (احمدی مہاجر)

اور اسی کو کہتے ہیں کسی کو فرش سے اُٹھا کر عرش پر لا بٹھانا - اور یہ خوبی یا وصف اسلام اور صرف اسلام میں ہے نہ کہ کسی اور مذہب میں ۔ یہی چیز تھی جس نے دکنیوں کو محو حیرت کر دیا ۔ اہل دکن اسلامی مساوات کے ان محیر العقول اور شیریں نتائج کو دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے ۔

اسلامی مساوات کی بدولت لاکھوں شودر مُسلمان ہوگئے

نتیجہ یہ ہُوا - کہ وہ جو کہ صدیوں سے مساوات کی نعمت سے محروم اور طرح طرح کی بدسلوکیوں کا شکار تھے - جوق درجوق اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے - اور بقول آریہ ایڈیٹر - مہاشہ سنت رام بی - اے

"اسلام ان کروڑوں اچھوتوں اور شودروں کیلئے رحمت ربانی تھا - وہ ان کو انسانی مساوات کا حق دیتا تھا - پس یہ لوگ جوق درجوق مسلمان ہوگئے" (اخبار پرتاپ لاہور ۱۱ نومبر ۲۶ء)

جو مسلمان نہوئے وہ بھی حقوق سے محروم نہ رہے ۔

اور جو لوگ کسی کی بہکاوٹ یا اپنی بد قسمتی سے اسلام کے نور سے منور نہ ہو سکے - وہ بھی ملکی ، مجلسی اور سیاسی حقوق سے مالا مال کر دئے گئے ۔

برہمنوں سے بھی مشفقانہ سلوک کیا گیا

یہی نہیں بلکہ جو لوگ صدیوں تک ظلم وجود کے مرتکب ہوتے رہے - اُن برہمنوں سے بھی ملائمت - ہمدردی اور شفقت ہی کا برتاؤ کیا گیا - اُن کے مراتب کو ہمیشہ ملحوظ رکھا - اور ان کے عزو وقار کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچنے دیا ، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ۔

امید ہے کہ ناظرین کرام دکن کے مسلم تاجداروں کی وسیع قلبی ، فیاضی ، مسالمت اور رواداری کے تعجب خیز اور محیر العقول واقعات پوری

دلچسپی اور توجہ سے پڑھیں گے۔ تاکہ انہیں معلوم ہو سکے۔ کہ دکھن میں اسلامی حکومت کا اضمحلال اور زوال کا باعث ان کی سخت گیری وچیرہ دستی نہ تھی بلکہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ ان کی غیر مآل اندیشی۔ حد سے سوا رواداریاں اور ضرورت سے زیادہ فیاضیاں ہی اس کا موجب ہوئیں۔

لیکن بجائے اس کے کہ مسلم تاجداران دکن کی وسعت قلبی و رواداری کے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ لکھیں۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ کہ اس کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے۔ وہ غیروں ہی کے زبان وقلم سے ماخوذ ہو۔ تاکہ کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہی نہ پڑے۔ کہ مؤلف رسالہ اپنے ہم مذہب بزرگوں کی محبت میں سرشار ہو کر ان کی بے جا تعریف کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اور "تاریخی مسلمات" سے انکاری ہے۔ اس لئے ہم بتوفیق ایزدی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ہر ایک چیز خود معترضوں کے گھر سے نکال کر پیش کریں گے۔

جنوبی ہند (دکن) کے مسلم تاجداروں کی تابناک رواداریاں

سو اس کے لئے سب سے پہلے ہم ایک نہایت ہی متعصب آریہ سماجی اخبار "کیسری" لاہور سے ایک مضمون درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے اقتباس انہی لوگوں کی کتابوں، رسالوں اور اخباروں سے نقل کریں گے جو کہ ہمارے دعویٰ کی حرف بحرف تائید و توثیق کرنے والے ہوں گے۔

متعصب اخبار کیسری کا مضمون

(۱) "ہندوستان میں جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ ہندوؤں کے ساتھ مساوی برتاؤ کیا گیا۔ اور سلطنت میں

برابر ہندو وزرار مقرر ہوتے رہے۔ قریباً ہر زمانہ میں ہندو کمانڈر انچیف اور وزیر اعظم تک ہوتے رہے۔ دکن کی سلطنت بہمنیہ کے زمانہ میں ہندوؤں کو جو عروج تھا اس سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ ان کا تفصیلی حال لکھنا بیان کو طول کر دیتا ہے۔ اس سلطنت کے بانی جس نے گانگو بہمنی کا خطاب اپنے خاندان کے لیے خود مختار بادشاہ ہو کر اختیار کیا۔ یہ خطاب اس نے ایک براہمن دوست گانگو نامی کی دوستی کی یادگار میں اختیار کر لیا تھا۔ گانگو براہمن کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس خاندان کے کسی بادشاہ نے کسی براہمن کو سزا نہ دی۔ محمد شاہ بہمنی ثانی پہلا بادشاہ تھا جس نے بغاوت کے جرم میں ایک براہمن کو قتل کیا۔ اور یہ واقعہ تمام ملک میں بدفالی سمجھا گیا۔ اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ اس وقت سے خاندان بہمنیہ کا زوال ہونا شروع ہو گیا۔ خاندان بہمنیہ کی تباہی کے بعد جو (مسلمان) سلطنتیں دکن میں قائم ہوئیں ان سب میں ہندوؤں کا اقتدار قائم رہا۔ یہاں پر صرف چند ہندوؤں کے نام جو ان سلطنتوں میں وزیر تھے، درج کرتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان میں سے ہر سلطنت میں ہندو کس درجہ پر صاحب اقتدار تھے۔ اور ان کا کس قدر اثر نظام سلطنت میں تھا۔

قطب شاہی سلطنت کے زمانہ میں جگدیو راؤ۔ رائے راؤ۔ سرباراؤ۔ ریلو پنڈت۔ مرارق راؤ وزیر اعظم کے درجہ پر فائز رہ چکے ہیں۔ عادل شاہی سلطنت کے زمانہ میں تماجی براہمن۔

بدری پنڈت - بند ماتم نائک - ادیو پنڈت - بڑے با اثر وزیر اور جنرل تھے - نظام شاہی سلطنت میں کنور سین مقرر ہؤا - اور پیشوا (وزیر اعظم) کا خطاب پایا - نرسو پنڈت - ہنما چتنویس - پرتاپ رائے - گوپی راؤ براہمن - راجو دکھنی - ونکٹ راؤ بڑے بڑے وزیر اور جنرل تھے مشہور پرتگیز مورخ فاریا سوزا دکن کے حالات میں لکھتا ہے - کہ

ہندو مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے اور بڑے بڑے عہدے اور منصب ان کو دیتے تھے - غرضیکہ ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا متعصبانہ برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا - اور ہندو اپنے مذہبی رسم و رواج آزادی سے برتتے تھے مسلمان ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے -

گجرات اور مالوہ کی اسلامی سلطنتوں کے زمانہ میں ہندوؤں کو بہت بڑا اقتدار حاصل تھا - یہاں تک کہ بسنت رائے اور مدنی رائے راجپوت جو محمود شاہ بادشاہ مالوہ کے وزیر اعظم تھے - کُلاً و جزءاً سلطنت کے مالک سمجھے جاتے تھے - اور ان کے اختیارات میں خود بادشاہ دخل نہیں دے سکتا تھا - شاہان کشمیر کے زمانہ میں عموماً ہندو وزیر اعظم ہؤا کرتے تھے - صرف چند نام مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں - سری بھٹ - بیوا دیو - بھٹ رائے - راول رائے کرکیلہ راجہ اجت دیو - راجہ پرسرام - دونگا راے - شنکر زینا - نانک چند بول گوبند دکھنا " (اخبار کیسری لاہور جلد ۳ نمبر ۲۷ مورخہ ۱۸ر جولائی ۱۹۲۳ء)

لالہ لاجپت رائے جی کا بیان

اس کے بعد ہم آریہ سماج کے مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں؛

"باہمنی خاندان نے عموماً ہندوؤں کے ساتھ (بہتر) سلوک رکھا۔ اس کے تمام پہاڑی قلعوں میں ہندو فوج رہتی تھی۔ مالی انتظام قریباً سارا ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ ہندوؤں کو فوج میں بڑے بڑے عہدے دئے جاتے تھے۔ اور ظاہرا (؟) ان پر بہت اعتبار کیا جاتا تھا۔" ("سیواجی" ص۲۹)

"اس باہمنی سلطنت کے کھنڈرات پر چار پانچ اور مسلمان ریاستیں قائم ہوئیں۔ یعنی بیدر۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ اور احمد نگر۔ بیجاپور کی بادشاہت عادل شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ اور احمد نگر کی نظام شاہی سے ..... بیجاپور اور احمد نگر دونوں ریاستوں نے بھی عموماً اکبر کی پالیسی کی پیروی کی۔ دونوں ریاستوں کا مالی انتظام ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ پہاڑی قلعے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے۔ اور ویسے بھی ہندوؤں کو بہت اعتبار اور ذمہ داری کے عہدے ملتے رہے۔ عادل شاہی خاندان کے عہد حکومت میں ایک ہندو رئیس بارہ ۱۲ ہزاری کے عہدہ پر مامور رہا۔ اور اس خاندان نے پہلے پہل حکم دیا کہ بجائے فارسی کے مرہٹی سرکاری دفاتر کی زبان قرار دی جائے۔ چنانچہ اس روز سے تمام سرکاری دفاتر مرہٹی میں ہوگئے۔ اس خاندان کی حکومت میں برابر ہندوؤں کا زور رہا۔" ("سیواجی" صفحہ ۳۰-۳۱)

"نظام شاہی خاندان بھی اول اول اپنی اصلیت پر فخر کرتا رہا۔

اور ہندوؤں کی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ برہان شاہ ثانی نے اپنے وزیر اعظم ایک صاحب کنور سین نامی کو پیشوا کا خطاب دیا۔" (" ص۳۱)

" گولکنڈہ کی ریاست بھی ہندوؤں کو اپنی ملازمت میں رکھتی تھی۔" (" ص۳۱)

پنڈت نند کمار دیو شرما کی رائے

اس کے بعد ایک اور ہندو پنڈت نند کمار دیو شرما کی رائے بھی پڑھی جائے فرماتے ہیں کہ :۔

" لگ بھگ پونے دو سو برس تک بہمنی حکومت کا دور دورہ رہا بعد از اں بہمنی سلطنت کے پانچ ٹکڑوں میں سے تین ٹکڑے نظام شاہی عادل شاہی اور قطب شاہی ہی موجود تھے۔ مگر (دکن میں) اسلامی تسلط قائم ہو جانے پر بھی ہندوؤں کا ہندو پن تباہ نہیں ہوا۔"

(ویر کیسری شواجی ص۷)

جسٹس رانا ڈے کی تحقیق

مہاراشٹری براہمن لیڈر جسٹس رانا ڈے کی تحقیق تو آگے چل کر پیش کی جائے گی۔ مگر اس جگہ اُن کے دو فقرے نقل کئے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"اسلامی عہد میں بھی زیادہ تر ملک ہندو قلعداروں کے ہی تحت میں تھا۔" (مرہٹوں کا اُت کرش ص۳۰)

" اسلامی عہد میں بھی ہندوؤں کے دھرم اور دیسی زبان کی ترقی ہوتی رہی۔" (مرہٹوں کا اُت کرش ص۳۱)

کٹر ہندوؤں اور آریہ سماجی مصنفوں کی مندرجہ بالا آراء پڑھ لینے پر ناظرین نے معلوم کر لیا ہوگا۔ کہ دکن کے مسلم تاجدار کیسے بے تعصب، فیاض اور روادار تھے۔ اور سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہوئے بھی اپنی مفتوح رعایا

کی کتنی دلدہی و دلداری کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ کتنا شریفانہ، مشفقانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اور اپنے غیر مسلم محکوموں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے اور بلند سے بلند تر منصب بھی عطا فرمایا کرتے تھے۔ یہی کیوں۔ انہیں مذہبی آزادی بھی دے رکھی تھی۔ اور ان کے اعمال و عقائد میں بھی کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتے تھے۔ پس ان حالات کو سامنے رکھ کر ناظرین خود ہی فیصلہ فرمالیں۔ کہ ایسی وسیع قلب، بے تعصب اور محترم ہستیوں پر ظلم و جور کا الزام لگانا حق کو کچلنا اور سچائی کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

لاطائل وساوس کا ازالہ

ممکن ہے۔ ان حقائق سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس موقعہ پر بعض کہہ اٹھیں۔ کہ اگر دکن کے مسلم تاجدار واقعی روادار تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے بُت توڑے۔ اُن کے مندر مسمار کئے۔ ان کے معابد کو لُوٹا۔ انہیں قتل کیا۔ قید کیا۔ اور اپنا غلام بنایا؟ مگر اس قسم کے وسوسے پیدا کرنے والے یہ بھی تو بتلائیں۔ کہ ایسا کب ہُوا؟ کیا مسلمان فاتحین نے امن کی حالت میں اپنی ہندو رعایا پر اس قسم کی کوئی سختی کی؟ اُن کے مندر توڑے؟ اُن کے معابد کو لوٹا؟ ان کو بے وجہ قتل و غارت کیا یا انہیں لونڈی غلام بنایا؟ اگر تاریخ اس کا جواب نفی میں دیتی ہے۔ تو پھر اعتراض کیوں؟

مندر اگر ٹوٹے تو حالتِ جنگ میں

اس میں شک نہیں۔ کہ بعض دفعہ ایسا ہُوا۔ اور واقعی ہُوا۔ مگر صرف اس وقت، جبکہ جنگ کی حالت پیدا ہوتی تھی، معرکۂ کارزار گرم ہوتا تھا۔ اور مخالفین اسلام توحید کے پرستاروں کی ہستی فنا کرنے پر تُل جاتے تھے۔ اور اطاعت کا اقرار کرنے والے آمادۂ بغاوت ہو جاتے تھے۔ اور اسلامی

علاقہ پر حملہ آور ہو کر اُسے روند ڈالا کرتے تھے۔ پس اگر جنگ یا بغاوت کے دوران میں مسلم تاجداروں کے مسلم۔ نو مسلم اور ہندو سپاہیوں کے ہاتھوں کبھی کبھار مندر یا بُت ٹوٹے یا ہندوؤں کے معابد کو لوٹ لیا گیا۔ یا سرکش و باغی گرفتار کر لئے گئے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلم تاجدار ظالم اور جبیرہ دست، سفاک اور بے رحم تھے۔ اگر کوئی یہ ثابت کر دے۔ کہ حالت امن میں مسلم تاجداروں نے اپنی غیر مسلم رعایا پر اس قسم کی کوئی سختی کی۔ تو ہم معترضوں کے اعتراض کو وزنی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جب معاملہ ہی برعکس ہو۔ تو پھر اعتراض کیسا اور کس پر؟ اور جب اسی دکن کی تاریخ ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے۔ کہ جب غیر مسلم فوجیں اسلامی علاقہ پر چڑھائی کرتی تھیں۔ تو وہ بھی مسلمانوں کو قتل اور قید کر لیا کرتی تھیں۔ مسجدیں۔ مقبرے اور مدرسے مسمار کر دیا کرتی تھیں۔ تو ایسی حالت میں اگر مسلمان سلاطین نے بھی بحالت طیش مخالف اور سرکش گروہ کے مندر یا بُت توڑ ڈالے۔ یا اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو قید کر لیا۔ یا قتل کر دیا۔ تو اُن پر اعتراض کیسا؟

مخالفین اسلام بھی بحالت جنگ اسلامی معبد برباد کرتے تھے

ممکن ہے اس تاریخی حقیقت سے کوئی انکار کر بیٹھے۔ اس لئے ہم اپنی تائید میں بھائی پرمانند جی کی شہادت پیش کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ حالتِ جنگ میں دکن کے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے معبد اور مقبرے بڑی بے دردی کے ساتھ تہس نہس کر دیا کرتے تھے۔ یہی نہیں اُن کے بے گناہ اور معصوم بیوی بچوں تک کو قید یا قتل کر ڈالا کرتے تھے۔

بھائی جی سلطان فیروز اور رائے بیجا پور کی باہمی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ جب سلطان بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ تو اس وقت

"ہندوؤں نے جو (بھی) مسلمان ملا۔ قتل کر ڈالا۔ اور میدان جنگ میں اُن کے سروں سے ایک چبوترہ تیار کیا۔ سلطان کے علاقہ کے شہر اور گاؤں تاخت و تاراج کئے۔ مسجدیں اور مقبرے توڑوا دیئے۔" (تاریخ مہاراشٹر ص۸۷)

پھر اسی کتاب میں ایک اور حملہ کا ذکر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں۔ کہ ہندوؤں نے

"مسجدیں گرائیں۔ قرآن پھاڑے۔ اور مسلمان عورتوں کو چھین لیا۔" (" ص۱۲۱)

اسی طرح ص۱۲۲ میں بھی ایک اور جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" وجیانگر کی ہندو فوج نے تمام مسلمانی علاقے کو برباد کرنا شروع کر دیا تھا۔ تمام مکانات گرا دئے۔ اور مسجدوں کو گھوڑوں کے اصطبلوں کے طور پر استعمال کیا۔"

یہی نہیں بلکہ جنگ کی حالت میں ہندو راجے مہاراجے اپنی ہندو فوج کو مسلمانوں کے قتل و غارت کرنے کے لئے باقاعدہ براہمنوں کو حکم دیا کرتے تھے۔ کہ وہ اپنے زیر اثر ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل پر آمادہ کریں۔ جیسا کہ بھائی پرمانند نے بھی ایک ایسے ہی موقعہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وجیانگر کا ہندو سپہ سالار

" ناجی مل پانچ لاکھ فوج لے کر روانہ ہوا۔ اس نے براہمنوں کو حکم دیا۔ کہ ہر روز (ہندو) سپاہیوں کو مسلمانوں کے قتل کا اُپدیش کریں۔" (" ص۷۲)

ان محولہ فوق اقتباسوں سے ظاہر ہے۔ کہ حالت جنگ میں ہندو فوجیں

بھی مسلمانوں کی مسجدیں - مقبرے - مدرسے مسمار کر دیا کرتی تھیں - اور نہتے اور بے گناہ عورتوں اور مردوں کو تلوار کی گھاٹ اتارنے میں ہی ہندو اپنی بہادری سمجھا کرتے تھے - پس اگر کبھی کسی مسلمان سلطان نے بھی حالت جنگ میں بحالت طیش کسی مندر یا بُت کو تڑوا دیا - یا اس کی ماتحت مسلم، نو مسلم یا مرہٹہ فوج نے مندروں کو لُوٹ لیا - تو اعتراض کیوں ؟

یہ غلط ہے کہ مسلمانوں نے حالتِ امن میں غیر مسلم رعایا کے معابد برباد کئے

دکن کے مسلمان سلاطین کو جابر اور قاہر ثابت کرنے کے لئے تو معترضوں کو تاریخ سے یہ دکھانا چاہیئے - کہ مسلمان تاجداروں نے حالتِ امن میں اپنی ہندو رعایا کے مندر مسمار کئے - ان کے بُت توڑے - ان کے معابد کو لوٹا - یا اُن کے مردوں اور عورتوں کو قید کیا - غلام بنایا - یا قتل کیا - مگر ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں - کہ معترض اس قسم کا ایک ثبوت بھی پیش نہیں کرسکتے - بلکہ اگر وہ تاریخ دکن کا بنظرِ امعان مطالعہ کریں - تو انہیں معلوم ہو جائے - کہ مسلم تاجدار تو ایسے ملنسار،

شاہانِ اسلام کی ملنساری

فیاض اور روادار تھے - کہ انہوں نے محض اپنی ہندو رعایا سے محبت کی پینگیں بڑھانے کی خاطر کئی دفعہ اپنی اور اپنی اولاد کی شادیاں ہندو عورتوں سے کیں - تاکہ ان میں اور رعایا میں جو بُعد اور بیگانگی ہے وہ دُور ہو جائے -

ہندو منادر کیلئے جاگیریں دیں

یہی نہیں وہ تو اپنی غیر مسلم رعایا پر ایسے مہربان تھے - کہ انہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنی ہندو رعایا کے معبدوں کی حفاظت کی - ان کی خاطر بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں - ان کے پنڈے پجاریوں کیلئے

مذہبی مقتداؤں کو جاگیریں دیں

وظائف مقرر کئے۔ اُن کے مذہبی مقتداؤں ۔ پروہتوں اور براہمنوں پر اعزاز و اکرام کے مینہ برسائے ۔ یہی کیوں وہ تو انہیں اپنا معتمد، اپنا وکیل اور سفیر تک بناتے تھے ۔ نہیں نہیں ۔ بلکہ اپنا مال و دولت اور خزانہ تک اُن کے ہاتھوں میں دے رکھا تھا ۔ بلکہ اس سے بھی بلند تر مناصب پر اُنہیں فائز کرتے ہوئے بعض اوقات تو انہیں اپنی مملکت کا مختارِ کل تک بنا دیا کرتے تھے ۔ جیسا کہ جسٹس راناڈے کے مندرجہ ذیل بیانات سے عیاں ہے :۔

جسٹس راناڈے کا بیان کہ تاجدارانِ دکن نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں

" دکن کے مسلمان بادشاہ ہندو عورتوں کے ساتھ شادیاں کرنے لگ گئے تھے ۔ ساتویں بہمنی سلطان نے وجے نگر کے راجہ کی لڑکی کے ساتھ بیاہ کیا ۔ اسی طرح سون کھرڑے کے راجہ کی لڑکی نویں بہمنی سلطان کے ساتھ بیاہی گئی ۔ بیجاپور کے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ نے مکند راؤ نامی ایک برہمن کی بہن کے ساتھ بیاہ کرکے اُسے اپنی ملکہ بنایا تھا ۔ اور اُسے " بابوجی خانم " کہتے تھے ۔ اور یوسف کی موت کے بعد اسی (خانم) کا لڑکا بیجاپور کی گدی پر بیٹھا تھا ۔ بیدر کے بریدشاہی خاندان کے پہلے سلطان نے بھی اپنے بڑے لڑکے کی شادی ساباجی نامی مرہٹہ سردار کی لڑکی کے ساتھ کی تھی ۔" (مرہٹوں کا اُتکرش ص ۳۸)

اس کے بعد یہی مہاراشٹری براہمن رقمطراز ہیں ۔ کہ :۔

ہندوؤں کو مذہبی آزادی اور دیگر حقوق بھی حاصل تھے ۔

" مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کو بہت کچھ مذہبی آزادی حاصل تھی ۔ مسلم سلاطین نے صیغہ فوج اور مال کے اختیارات ہندوؤں ہی کے

سپرد کر رکھے تھے۔ انہوں نے ہندو مندروں کو بھی کئی جاگیریں دے رکھی تھیں۔ ہندو ویدوں (حکیموں) کو سرکاری ہسپتالوں کا انچارج بنایا۔ اور کئی ایک براہمن خاندانوں کو نسلاً بعد نسلٍ جاگیریں دی تھیں۔" (")

دکن کا محکمہ مال ہندوؤں کے سپرد کیا گیا

" دکن میں بہمنی حکومت کے بانی حسن نے اپنی حکومت قائم کر لینے کے بعد دہلی سے گنگو براہمن کو بلوا کر اُسے ہر قسم کے ٹیکس اور محصولات وصول کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں کا درجہ حکومت میں اور بھی بلند ہو گیا۔" (مرہٹوں کا اُت کرش ص۳۲)

" نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لگان وصول کرنے اور خزانہ کا انتظام دِلّی کی طرف سے آنے ہوتے براہمنوں اور کشتریوں ہی کے ہاتھ میں رہنے لگا۔ جو کہ آگے چل کر آہستہ آہستہ دکنی براہمنوں اور پربھولوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔" (ص۳۳)

" حکومت کے آمدو خرچ کا حساب کتاب ہندوؤں کے اختیار میں آجانے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جب بہمنی حکومت تباہ ہو گئی۔ اور اس کی جگہ بیجاپور۔ برار۔ احمد نگر۔ بیدر۔ اور گولکنڈہ میں پانچ آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ تو ان ریاستوں کے مالی کاروبار میں بھی فارسی زبان فارسی یا اُردو استعمال میں نہیں آتی تھی۔ بلکہ شروع سے تمام حسابات ملکی زبان میں ہی لکھے جاتے تھے۔" (رد ص۳۲)

مسلمان حکومتوں میں برہمنوں کی عزت و توقیر

" سولھویں صدی میں مُرار راؤ ایک ہندو

گولکنڈہ کے بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ گولکنڈہ کے آخری سلطان کا وزیر اعظم مدن پنڈت کا تو اتنا رسوخ و اقتدار تھا کہ اس نے مہاراجہ سیواجی اور گولکنڈہ کے درمیان معاہدہ کروا دیا۔ اور انہیں مغلوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کر دیا۔" (")

" راج رائے خاندان کا بھی گولکنڈہ کے دربار میں بڑا رسوخ تھا۔ ان سلطانوں کے عہد حکومت میں زمین کا لگان وصول کرنے کا کام بھی براہمن، دیش پانڈے، مرہٹے، دیسائی اور دیش مکھ کو ہی سونپا جاتا تھا۔" (")

" دادو پنڈت، نرسو، کالے، ایسو پنڈت وغیرہ براہمن اس زمانہ میں بڑے مشہور تھے۔ انہوں نے بیجاپور کی حکومت میں بہت سی اصلاحیں کیں۔ احمد نگر کے سلطان گجرات اور مالوہ کے بادشاہوں کے درباروں میں اپنا وکیل یا سفیر جتنے بھی مقرر کرتے تھے۔ وہ اکثر براہمن ہی ہوا کرتے تھے۔ پہلے برہان شاہ کے زمانہ میں حکومت کا تمام انتظام کمال سین نامی ایک براہمن وزیر ہی کے ہاتھ میں تھا۔ اسی زمانہ میں ایسو پنڈت بیجاپور کا مصطفیٰ (؟) بنا تھا۔ گولکنڈہ کے اکنا۔ مکنا نامی دو (براہمن) بھائیوں کا تو اتنا اثر و اقتدار تھا کہ جب بیجاپور کے دربار نے مغلوں پر چڑھائی کی تب انہیں سے مدد مانگی تھی۔" (")

اس کے بعد پنڈت رادھا کرشن جھیا ایم۔اے کی گواہی بھی سن لیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

" سرکاری لگان وصول کرنے کا بھی ملک عنبر (نظام شاہی کے مختار)

سے نہایت عمدہ انتظام کیا - یہ کام اس نے ایسی عمدگی سے انجام دیا - کہ جس کی بدولت آج تک اس کا نام ہر ایک گاؤں میں تعریف کے ساتھ لیا جاتا ہے - اُس وقت لگان کا اندازہ کر کے ٹھیکیداروں کے ہاتھ میں وصولی کا کام سپرد کر دیا جاتا تھا - اور ٹھیکیدار رعایا سے اندازہ سے بھی کہیں زیادہ روپیہ کی صورت میں وصول کرتے تھے - جس سے رعایا کو بہت تکلیف پہنچتی تھی - ملک عنبر نے یہ طریقہ ہٹا دیا - اور لگان وصول کرنے کا کام براہمنوں کے سپرد کیا - یہ براہمن سرکار کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے - اور ان کے کاموں کی پڑتال کے لئے مسلمان افسر مقرر کئے جاتے تھے - دیہاتی پنچائتیں قائم کیں - کھیتوں میں جب اور جتنی پیداوار ہوتی تھی - اس کے مطابق ہی لگان وصول کیا جاتا تھا - یہی طریق کچھ عرصہ تک جاری رکھا گیا - اور بعد ازاں چند سالوں کی اوسط نکال کر لگان نقدی کی صورت میں مقرر کر دیا گیا - مگر اس پر بھی ہر سال اس پر نظر ثانی کی جاتی تھی - یہی وجہ ہے - کہ کچھ مدت کے بعد اس کی حکومت ترقی کر گئی - اور رعایا بھی سُکھ اور چین سے اپنے دن بسر کرنے لگی "۔

(بھارت کی شاسن پدھتی صفحہ ۲۳۰-۲۳۱)

دکن کی اسلامی حکومت نے اپنی ہندو رعایا کی جس رنگ میں دلداری و دلدہی کی - اُن کے مذہب - اُن کے معابد اور ان کے رسم و رواج کی جس طور سے آگے رکھشا کی - اور انہیں ترقی کرنے اور سربلند ہونے کا جو موقعہ دیا وہ مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے - اور انہی بیانات سے یہ بھی عیاں ہے - کہ مسلم تاجداروں نے ہندوؤں کے مذہبی مقتداؤں، پروہتوں اور براہمنوں

کا کتنا مان بڑھایا۔ ان کو کتنا نوازا۔ اور کس دریا دلی، فیاضی اور وسعت قلبی سے ان پر زیادہ سے زیادہ انعام و اکرام کی بارشیں برسائیں۔ اور وہ جو کہ کنگال اور مفلوک الحال تھے۔ انہیں نہال اور مالا مال کر دیا۔ اور جو لوگ بغلوں میں پوتھیاں دابے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرا کرتے تھے۔ یا مندروں میں ناقوس بجانے میں اپنا وقت گذارتے تھے۔ ان اللہ والوں نے انہیں کس طرح بام عروج پر پہنچا دیا۔ کہ ایک دفعہ تو انہیں دیکھنے والے بھی حیرت و استعجاب کے مجسمے بن کر رہ گئے۔

اوپر ہم نے ہندو مصنفوں و مؤرخوں کی کتابوں سے جس قدر بھی اقتباس درج کئے ہیں۔ یہ مسلمان تاجدارانِ دکن کی وسعت قلبیوں، دریا دلیوں فیاضیوں، رواداریوں ہاں حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی رواداریوں کے اثبات میں کافی سے بھی زیادہ ہیں۔

غیر مسلم ناظرین سے خطاب

ناظرین بالخصوص غیر مسلم ناظرین انہیں ایک دفعہ پھر پڑھیں۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھکر انصاف سے بتائیں۔ کہ مسلم تاجداران دکن پر ظلم و تشدد کا الزام لگانا یا انہیں ظالم اور جابر بتلانا کسی حال میں بھی درست اور واجب ہو سکتا ہے؟ کیا جن مبارک اور بے تعصب ہستیوں نے پریشان صورت اور پراگندہ حال لوگوں کی اتنی دلدہی و دلداری کی ہو۔ اُن کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرا ہو۔ انہیں ترقی کرنے اور ملک میں نام پیدا کرنے کے مواقع بہم پہنچائے ہوں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور ٹریننگ کے لئے دور دراز ملکوں سے ماہرین فن منگوائے ہوں۔ اور ان ماہرین فن کے ذریعہ ان لوگوں کو ہر فن میں طاق کروایا ہو۔ کیا ایسے بزرگ۔ شفیق اور حقیقی محسنوں کو ظالم، جابر، قاہر، غاصب

اور جابر کہنا حق و صداقت کی مٹی پلید کرنا نہیں ہے؟ کیا وہ بزرگ اور محترم سلاطین جنھوں نے ملک کے ہر ایک محکمہ اور صیغہ میں اپنی غیر مسلم رعایا کو کثرت کے ساتھ بھرتی کیا ہو۔ اور قدم قدم پر اپنے ہم مذہبوں پر انھیں ترجیح دیتے ہوئے اپنے زوال کو قریب تر کر لیا ہو۔ کیا ایسے محسن اور محبت کرنے والے بزرگوں پر تعصب و تنگ دلی کا الزام لگانا سچائی کا خون کرنا نہیں ہے؟

کیا براہمنوں سے دُھتکارے ہوئے۔ کھشتریوں سے ٹھکرائے ہوئے اور ملک کے دیگر باشندوں کے ہاں سے راندے ہوئے اور براہمن دیوتا سے "شودر" نام پائے ہوئے تباہ حال و گمنام لوگوں کو جن بزرگوں نے اپنے الطاف ہائے خسروانہ کا مورد بنا کر دنیا میں سربلند کر دیا ہو۔ کیا ایسے محسن و مربی سلاطین کو ہندو قوم کا دشمن ہندو دھرم کا بَیری اور ہندو سبیتہا یا تہذیب کو غارت کرنے والا بتلانا حق و انصاف کا گلا گھونٹنا نہیں ہے؟

آج جو لوگ انتہائی بے باکی کے ساتھ ہمارے محترم اور قابل صد افتخار آباؤ اجداد پر کوتاہ نظری و تعصب کا الزام لگانے میں حجاب محسوس نہیں کرتے۔ کیا انھوں نے کبھی اس امر پر بھی غور کیا ہے۔ کہ ان کے آباؤ اجداد نے دکن کے قدیم باشندوں سے کس قسم کا سلوک کیا تھا؟ وہاں کے بودھوں سے کیسا برتاؤ کیا تھا؟ اس کے جینی باشندوں سے کس رنگ میں پیش آئے تھے؟ کیا ان کے اندوہناک اور قلب پاش برتاؤ کو دیکھتے ہوئے دکن کے مسلم تاجداروں کی تابناک، روشن اور درخشاں رواداریاں اسی قابل ہیں۔ کہ انھیں یکسر نظرانداز کرتے ہوئے الز

بزرگ و محترم سلاطین کو بُری طرح مطعون و بدنام کیا جائے؟ کیا ہمارے بزرگ آباء کے احسان ہائے بیکراں اسی لائق ہیں۔ کہ ان پر آئے دن سب وشتم کی بوچھاڑ کی جائے؟ اور انہیں مکروہ اور گھناؤنی شکل میں پیش کرکے نیک دل، انصاف پسند اور بے تعصب ہندو شرفاء کو ان مسلم بزرگوں سے متنفّر و بے زار کیا جائے؟ کیا یہی انصاف ہے؟ اور آئندہ بھی مسلمانوں کو اسی قسم کے سلوک اور انصاف کی توقع رکھنی چاہیئے؟ مگر نہیں۔ ہمیں کامل توقع ہے۔ کہ شریف ہندو، نیک دل ہندو اور بے تعصب ہندو بھائی آئندہ اس امر کے ساعی ہوں گے۔ کہ وہ اسلام، بزرگانِ اسلام اور شاہانِ اسلام کے خلاف اس قسم کے مکروہ، بے بنیاد اور باہمی اُلفت کو کم کرنے والے پروپیگنڈا کو روکنے کی سعیٔ مشکور فرمائیں گے؛

تاجداران دکن نے اپنی غیر مسلم رعایا اور مرہٹہ قوم پر جس قدر احسان کئے۔ انہیں نوازا۔ اور بام عروج تک پہنچایا۔ اس کا تذکرہ تو بہت سا وقت چاہتا ہے۔ لیکن تاہم اسی کے متعلق چند اقتباس اور بھی درج ذیل کر دیتے ہیں۔ اُمید ہے کہ انہیں بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتلادیں

شوکت کی ہندو ریاست میں مسلمانوں و شودروں کو کوئی اعزاز نہ ملا

کہ مذکورہ بالا زمانہ میں اسی دکن کے اندر ہندوؤں کی بھی ایک بہت بڑی۔ وسیع و عریض اور ترقی یافتہ حکومت وجے نگر میں قائم تھی۔ مگر اس میں نہ تو مسلمانوں کو کوئی عہدہ یا منصب ملتا تھا۔ اور نہ ہی ہندو شودر ہی کسی قسم کا اعزاز حاصل کر سکتے تھے۔ درآنحالیکہ اس کے مقابل اسلامی حکومت میں پورو پالس جیسی والی جو ہندو قومیں براہمنوں کی نگاہ میں شودر سمجھی جاتی تھیں۔ اُن کے

بہت سے افراد اپنے مسلمان تاجداروں کی طفیل بڑے سے بڑے منصب پر پہنچ جایا کرتے تھے۔

اس جگہ ساری قوموں کا ذکر تو موجب طوالت ہوگا۔ اس لئے ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے یہاں صرف مرہٹہ قوم ہی کا ذکر کریں گے۔

مرہٹہ قوم کی حوصلہ افزائی

مرہٹہ قوم مہاراشٹر میں رہتی تھی۔ جو کہ اسلامی حکومت میں داخل تھا۔ یہ علاقہ کبھی سیر حاصل اور زرخیز رہا ہو۔ تو ہو۔ مگر اسلامی قبضہ سے قبل بقول بھائی پرمانند جی "راج راجسنے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا" (تاریخ مہاراشٹر ص۲۵) اور جب یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ تو اس کی حالت ایسی نہ تھی۔ کہ اس سے کسی مالی منفعت کی کوئی امید کی جا سکتی۔ نہ صرف یہ کہ ملک ہی اُجاڑ۔ غیر آباد۔ بے رونق اور سنگلاخ تھا۔ بلکہ اس کے باشندے بھی مفلوک الحال، غریب اور بڑی تنگی سے اپنا گذارہ کرنیوالے تھے جیسا کہ پنڈت رادھا کرشن چھیبا ایم۔ اے پروفیسر پٹنہ کالج نے بھی بایں الفاظ تسلیم کیا ہے۔ کہ :۔

مہاراشٹر کی زبون حالی و غیر معروفی

"پچھم گھاٹ سے ملا ہوا مہاراشٹر کا علاقہ پہاڑی اور جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔ زمین پتھریلی ہے۔ کھیتی باڑی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ گھاٹ سے نکلنے والی لاتعداد چھوٹی چھوٹی پہاڑی ندیوں نے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ یہ ایسا ہے گویا قدرت نے نہ دانو کو کوٹھڑیاں بنا ڈالی ہیں۔ جن میں باہمی کوئی تعلق نہیں۔ دنیا میں کہاں اور کیا ہو رہا ہے۔ اس کے متعلق یہاں کے

باشندوں کو کچھ خبر نہیں۔ اور نہ ہی دنیا کو ان کا پتہ ہے۔"

مرہٹوں کی غربت و فلاکت

"ایسے غریب ملک میں امیروں کا رہنا، سست اور کاہل بن کر دن کاٹنا اور دوسروں کی کمائی کھانا۔ ناممکن تھا ۔۔۔۔ یہاں ہر ایک کو اپنی سوکھی روٹی کے لئے محنت کرنی پڑتی تھی۔ بڑے چھوٹے کا امتیاز نہ تھا۔ امیرانہ اور نفاست پسندانہ خیالات اس ملک سے دور بھاگتے تھے۔" مہاراشٹر کے لوگ۔" امیر نہیں تھے اور نہ ہی بھک منگے تھے۔ عورت مرد دونوں مل کر کام کرتے اور زندگی بسر کرتے تھے۔" (بھارتی شاسن پدھتی صفحہ ۲۲۲-۲۲۴)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مہاراشٹر کا ملک ایک غیر معروف، غیر آباد، غریب اور مفلوک الحال ملک تھا۔ اور اس کے باشندوں کو اپنا پیٹ پالنے کے لئے دن رات محنت اور مشقت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا اور پھر لطف یہ کہ اس ملک کے رہنے والے جو کہ محنتی، جفاکش اور بہادر تھے۔ براہمنوں نے انہیں بھی شودر قرار دے رکھا تھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ جن دنوں دکن میں آریوں کا راج تھا۔ اس وقت ان لوگوں کو کسی قسم کی بھی اہمیت حاصل نہ تھی۔

مگر جب اس ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ تو انہوں نے جہاں اپنی دیگر مفتوح قوموں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور انہیں آگے بڑھنے اور میدانِ ترقی میں گامزن ہونے کا موقعہ دیا۔ وہاں اس غیر معروف، غریب، درماندہ اور تباہ حال قوم پر بھی چشم عنایت مبذول فرمائی۔

مرہٹوں کی ترقی مسلمانوں کی طفیل ہوئی

یہ لوگ ذہین تھے۔ مگر زیور علم سے

محروم، جفاکش تھے۔ مگر زر و مال سے تہیدست، بہادر تھے۔ لیکن فنِ حرب سے ناواقف، جنگجو تھے۔ مگر سیاست سے نابلد۔ لیکن جب خدا نے ان کو مسلمانوں کی رعایا بنا دیا۔ اور انہیں مسلمانوں کا فیض صحبت نصیب ہوا۔ تو مسلم تاجداروں کی طفیل جہاں ان میں علم کی روشنی پھیلی۔ وہاں اسلامی فوج میں بھرتی کئے جانے کی وجہ سے فنِ حرب سے بھی واقف ہو گئے اسلامی سلطنت کی طرف سے ذمہ واری کے عہدوں پر فائز ہونے کے باعث زر و جواہر ان کی جھولیاں بھی بھر گئیں۔ اور صدیوں تک مسلمان حاکموں کے ماتحت رہنے اور ان کی تعلیم و تربیت کی بدولت انہیں سیاسی شعور تدبر اور انتظامی قابلیت بھی حاصل ہوگئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ قوم جو دنیا سے الگ تھلگ براہمنوں کی نگاہوں میں ذلیل اور ملک کے دیگر باشندوں کے نزدیک بھی بے وقعت تھی۔ اپنے مسلمان ہاں شریف، رحمدل، قدرشناس، فیاض اور روادار مسلمان آقاؤں کی بدولت وقت آنے پر تاریخ ہند میں اپنا نام کر گئی۔

اور یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے۔ اسے ہماری دماغی اختراع نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ ہماری عادت نہیں۔ کہ کوئی بات کہیں اور اس کے ثبوت میں دلائل پیش نہ کریں۔ اس لئے ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں ایسے وزنی، نپے تلے، معقول اور ناقابل تردید دلائل پیش کریں گے۔ کہ جس کی تغلیط قطعی ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ ہم جو کچھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سب کا سب مخالف کیمپ سے فراہم شدہ ہے۔ بلکہ انہی لوگوں کی تحریروں سے ماخوذ ہے۔ کہ جو دکن کے مسلم تاجداروں پر ظلم و سفاکی کا الزام لگانے میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ توقع ہے کہ ہمارے پیش کردہ دلائل و شواہد بغور تعمق پڑھے جائیں گے۔ تاکہ جہاں دکن کے مسلمان سلاطین کی نیکی، شرافت

ہمدردی، فیاضی و رواداری آفتاب عالمتاب کی طرح ظاہر و ثابت ہو جائے۔ وہاں احسان فراموشوں، محسن کشوں کی احسان فراموشیاں اور محسن کشیاں بھی الم نشرح ہو جائیں۔

مرہٹوں کا مسلمانوں کی ملازمت میں آنا

سو سب سے پہلے پنڈت راد ھاکرشن صاحب جھیا لدم۔ اسے کی گواہی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"گلبرگہ۔ بیدر۔ احمد نگر۔ بیجاپور کے مسلمان درباروں میں قسمت آزمائی کے لئے جتنے ایرانی، عرب، ترک اور حبشی آیا کرتے تھے۔ وہ سب کے سب اسی (مہاراشٹر کی) راہ سے جاتے تھے۔ اسی طرح (ان کی دیکھا دیکھی) مہاراشٹر کے وہ لوگ بھی جنھیں اپنے علاقہ میں جوانمردی کے اظہار کا کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔ اپنے اردگرد کے مسلمان درباروں میں جا کر ملازمت اختیار کر لیا کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ جایا کرتے تھے۔" (بھارت کی شاسن پدھتی ص۲۲۳)

چونکہ مسلمان حکمران اس کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی قوم کو ترقی یافتہ اور آسودہ حال دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کی درخواست ہائے ملازمت کو کشادہ دلی سے شرف قبولیت بخشا جاتا تھا۔ اور ان لوگوں کو نہ صرف فوج ہی بلکہ دیگر اہم صیغوں میں کام کرنے کے لئے بھی تربیت دی جاتی تھی۔ اور انہیں بلند سے بلند تر مناصب پر فائز کر دیا جاتا تھا جیسا کہ جسٹس راناڈے فرماتے ہیں کہ:۔

مرہٹے باڈی گارڈ

"مرہٹے بھی مسلمان بادشاہوں کی خدمت

کرنے کے لئے تیار ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بہمنی حکومت کے والی و سلطان کے تو ۲۰۹ مرہٹے باڈی گارڈ تھے۔"

مرہٹوں کی جنگی تربیت

" متواتر جنگوں میں شریک ہونے کے باعث وہاں کے (مرہٹہ) لوگوں کو جنگ کی تعلیم اور بہت سامال بھی مل جایا کرتا تھا۔"

(مرہٹوں کا اُتکرش صـ۳۳)

مسلمان بادشاہ اپنے ہم مذہبوں پر مرہٹوں کو ترجیح دیتے تھے

" مسلمان بادشاہوں کو ترک ایرانی، پٹھان، مغل وغیرہ لوگوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ تکلیف ہی پہنچتی تھی (؟) اس لئے مسلمان سلاطین اپنی فوج میں انہیں نہ رکھ کر (؟) اکثر مرہٹوں ہی کو رکھتے تھے یعنی مرہٹہ سلح دار[۱] اور بارگیروں پر ان کا زیادہ انحصار تھا۔" (" صـ۳۴)

ہم جسٹس رانا ڈے کی اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ مسلمان تاجدار عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور پٹھانوں کو کیوں ناپسند کرتے تھے۔ اور وہ ہمیشہ ان پر مرہٹوں ہی کو ترجیح دیا کرتے تھے؟ حالانکہ یہ لوگ مرہٹوں سے کہیں زیادہ ہوشیار اور فنونِ حرب اور سیاست ملکی میں ماہر ہوتے تھے۔ اور تاریخی شواہد بھی اسی امر کے مؤید ہیں۔ کہ مرہٹوں اور دیگر ہندو قوموں نے فن حرب اور علم سیاست انہی ترکوں مغلوں ایرانیوں اور پٹھانوں کے فیض صحبت سے حاصل کیا

بیرونی مسلمانوں سے مرہٹوں نے فنِ حرب سیکھا

---

[۱] شلادار یا سلح دار یا صلہ دار اسکو کہتے ہیں جو فوج میں بھرتی ہو۔ اور گھوڑا اپنا لائے۔ بارگیر اُسے کہتے تھے جسے گھوڑا حکومت کی طرف سے ملتا تھا۔ (احمدی مہاجر)

اور یہی اُن کے استاد اور جنگی تربیت کرنے والے تھے۔

ہاں چونکہ یہ دور دراز ملکوں سے آتے تھے۔ اور انہیں اپنے وطن کی یاد کبھی کبھار ستایا کرتی تھی۔ اس لئے گاہے گاہے دکن سے واپس بھی چلے جاتے تھے۔ برخلاف اس کے مرہٹے اسی ملک کے رہنے والے تھے اور اپنے اُستادوں کی اعلیٰ تعلیم کی بدولت اپنے فن میں طاق ہو گئے تھے۔ اس لئے ممکن ہے مسلم تاجداروں نے انہیں کثرت سے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا ہو۔

لیکن بہرحال اصل حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس بیان سے یہ تو ظاہر ہے۔ کہ مسلمان تاجدار ہندوؤں سے اتنی محبت رکھتے تھے۔ کہ وہ اپنے ہم مذہبوں پر انہیں ترجیح دیتے تھے۔ ان کو فن حرب سے واقف کروا کر آگے بڑھایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے محافظ اور باڈی گارڈ بھی انہی کو تجویز کیا کرتے تھے۔ یہی کیوں ان لوگوں پر اتنی شفقت فرماتے تھے! اُن کی ترقی میں اتنی دلچسپی لیتے تھے۔ اور انہیں اتنا نوازتے تھے کہ نہایت

مرہٹوں کی حیرت انگیز ترقی

معمولی حالت کے مرہٹے بھی اپنے مسلمان آقاؤں کی طفیل تعجب خیز ترقی کر گئے۔ اور بقول جسٹس رانا ڈے

مرہٹہ سرداروں کو جاگیریں ملتی تھیں

"سولہویں صدی میں گھاٹگے۔ گھورپڑے۔ یا دَوَ۔ نمبالکر۔ مورے۔ سیندے۔ ڈپھلے۔ مانے وغیرہ بڑے بڑے مرہٹہ سردار دس دس بیس بیس ہزار فوج کے سپہ سالار بنا دئے گئے) تھے۔ اور ان کی قابلیت کے مطابق اُنہیں جاگیریں بھی دی گئی تھیں۔" (〃 ص ۳۴)

مفلوک الحال اور غیر معروف مرہٹے مسلمانوں کی طفیل انتہائی عروج کو پہنچ گئے

مسلم تاجداروں نے اس شودر قرار دی گئی قوم کو اتنا ابھارا، اور نوازا۔ کہ یہ لوگ اپنے ولی نعمت آقاؤں کی تربیت کی بدولت حکومت کے دیگر صیغوں میں بھی بھرتی کئے گئے۔ اور ذمہ واری کے کام ان کے سپرد کئے گئے۔ سلطنت کے اہم سے اہم امور میں ان کو دخیل کار بنا دیا گیا۔ اور ان کا اتنا اثر و رسوخ بڑھایا۔ کہ ہر جگہ انہی کا طوطی بولنے لگ پڑا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل بیانات سے ہویدا ہے :۔

جسٹس راناڈے فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان تاجداروں کی حوصلہ افزائیوں کے صدقہ میں

"صیغہ فوج میں بھی رفتہ رفتہ ہندوؤں کا اثر بڑھتا جاتا تھا۔ مؤرخ فرشتہ کا قول ہے کہ بہمنی حکومت میں کام رلیجے۔ گھاٹگے۔ ہرنائک وغیرہ ہندو (مرہٹہ) منصبدار تھے۔ دوسرے بہمنی سلطان کے تو ۲۰۰ مرہٹے باڈی گارڈ ہی تھے۔ ۱۶ ویں صدی کے شروع میں باگھوجی جگدیو راؤ نائک وغیرہ نامی ایک مرہٹہ سردار۔ برار، بیجاپور اور وجے نگر کے دربار میں بہت مشہور تھا۔ اس نے کئی راجاؤں کو راج گدی سے اُتارا۔ اور کئی کو گدی پر بٹھایا تھا۔ وہ کرناٹک کے نائک واڑی نامی ہندو فوجی گروہ کا لیڈر تھا۔ حقیقت میں وہ اُسوقت ایک طاقتور راجہ تھا۔ (مگر) اس نے راجہ کا خطاب اختیار نہیں کیا۔ مشہور مُرار راؤ نے ۱۷ ویں صدی میں بیجاپور کی بڑی

قابل تعریف خدمت کی تھی۔ اور اس نے بیجاپور پر چڑھائی کرنے والی مغل فوج کو شکست دی تھی۔ مُرار راؤ۔ یادَو اور شاہ جی بھونسلے بھی بیجاپور اور احمد نگر کی حکومت کے اہم ستون تھے۔ مرار راؤ کو برباد کرنے کی سازش میں راگھو پنت۔ بھونسلے گھاٹگے وغیرہ ہندو ہی پیش پیش تھے۔ اسی طرح چندر راؤ مورے اور رباجے راؤ نامی مرار راؤ کے ماتحت سرداروں کو کونکن دیش کی جنگوں میں بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں مہَسش وڑکے ملنے۔ باڑی کے ساونت ڈپھلے اور گھورپڑے بھی بہت مشہور تھے "

"گرانٹ ڈف کا بیان ہے۔ کہ مہاراج سیواجی کے دادا مالوجی کا عروج ہونے سے پہلے ہی آٹھ مرہٹہ خاندان بہت مشہور تھے۔ ان میں سند کھرڑے کے یادوں کا بڑا رسوخ تھا علاؤالدین کے ذریعہ فتح کئے ہوئے دیوگری کے یادوں سے اس کا تعلق تھا اُن یادوں میں لاکھوجی یادَو تو اتنا با اثر تھا۔ کہ جب مغل بادشاہ نے سب سے پہلے دکن پر چڑھائی کی۔ تب اسی سے مدد مانگی تھی؛ پھلٹن کے نمبالکر بھی بہت مشہور تھے۔ اور ماکوڑی کے جھنجار راؤ گھاٹگے کا بیجاپور دربار میں بڑا اثر و رسوخ تھا کونکن اور گھاٹ کے علاقوں کے مورے۔ شِرکے اور دھاڈک اور دکنی ماوَل کے گُوجر اور موہتے بڑے جنگجو اور فن حرب کے ماہر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ماتحت دس بیس ہزار گھوڑ سوار بھی رہا کرتے تھے "

سیواجی کے خاندان کے حالات

جسٹس راناڈے نے یہاں تک دیگر مشہور مرہٹہ سرداروں کا ذکر کیا۔ اب وہ سیواجی کے خاندان کا حال بتلاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:-

"۱۷ویں صدی کے آغاز میں بھونسلہ گھرانہ مشہور ہوا۔ اس گھرانے کے لوگ یادوؤ اور نِمبالکر کے رشتہ دار تھے۔ یادوؤ کی لڑکی، شاہ جی کی ماتا تھی اور نمبالکر کی لڑکی ان کی بیوی تھی (مالوجی) بھونسلے اس خاندان (سیواجی کا) کے مورث اعلیٰ تھے۔ اُس وقت مالوجی کے بیٹے شاہ جی اسلامی دربار کی صف اول کے سردار مانے جاتے تھے۔ وہ (سیواجی کے والد) بڑے طاقتور تھے۔ اور رنک (کنگال) کو راجہ اور راجہ کو رنک آسانی سے بنا سکتے تھے۔ انہوں نے احمد نگر کی نظام شاہی کی طرف سے مغلوں کے ساتھ کئی جنگیں کیں۔" (۶)

سیواجی مرہٹہ کے آباؤ اجداد کے متعلق جسٹس راناڈے نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کے پڑھنے سے تو حقیقت سے ناواقف یہی سمجھیں گے کہ یہ گھرانہ قرنہا قرن سے صاحبِ اقتدار تھا جبھی تو سیواجی کا باپ نظام شاہی دربار کے سرداروں میں ممتاز جگہ پانے کا مستحق سمجھا گیا۔ مگر چونکہ محترم راناڈے نے اس گھرانہ کی اصل حقیقت کسی مصلحت کی وجہ سے ظاہر نہیں کی۔ اس لئے ناظرین کو حقیقتِ حال سے واقف کرنے کیلئے

بھونسلہ گھرانہ بھی مسلمانوں کی طفیل پھولا پھلا

ہم بتلاتے ہیں۔ کہ دوسرے مرہٹہ سرداروں کی طرح یہ خاندان بھی ابتداء میں گمنامی و کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔

اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کی طرح اسے بھی جو کچھ ترقی حاصل ہوئی۔ وہ شاہان اسلام ہی کے طفیل اور انہی کی غلامی کے صدقہ میں حاصل ہوئی بلکہ اس خاندان اور نسل کا پھیلاؤ بھی ایک مسلمان بزرگ کی دعا اور برکت کے نتیجہ میں تھا۔ جیسا کہ جسٹس رانا ڈے نے بتلایا ہے۔ کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ مالوجی تھا۔ ان کا ایک بھائی بھی تھا۔ جس کا نام بٹھوجی تھا۔

اور ابتدا میں یہ دونوں یعنی مالوجی اور بٹھوجی نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا اور ان کے اہل و عیال کا گذارہ محض کھیتی باڑی پر تھا۔ جو کہ ان کے گاؤں ویرُول میں تھی۔

سیواجی کے دادا کو مسلمان سلطان نے نوکر رکھ لیا

بعد میں انھوں نے احمد نگر کے دربار نظام شاہی کے ایک معزز سردار لکھوجی یادَو راؤ کی جو کہ دس ہزاری منصب رکھتا تھا۔ ملازمت اختیار کر لی۔ مالوجی چونکہ بہادر اور محنتی تھے۔ اس لئے ان کے آقا نے خوش ہو کر نظام شاہ کی فوج میں جس کا وہ خود سردار تھا۔ سِلّادار (گھوڑ سوار) بنوا دیا۔ جہاں انہوں نے اچھی خاصی ترقی کی۔ مالوجی کی بیوی دیپا بائی کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ ان کے دوسرے بھائی بٹھوجی کے آٹھ لڑکے تھے۔ مالوجی اور دیپا بائی لڑکا نہ ہونے کے باعث بیحد آزردہ اور دُکھی تھے۔ اور دیپا بائی نے حصول مراد کی خاطر بڑے بڑے جتن بھی کئے۔ پوجا پاٹھ کرتی تھی۔ تپ اور جپ کرتی تھی۔ نہ صرف خود بلکہ براہمنوں سے بھی کرواتی تھی۔ مگر مراد بر نہ آئی۔ آخر سب طرف سے مایوس ہو کر ان میاں بیوی نے احمد نگر کے مشہور پیر شریف شاہ کی درگاہ میں جاکر منت مانگی۔ اور اس کے بعد ہر جمعرات کو مالوجی فقیروں کو خیرات بھی دیتا تھا

سیواجی کے والد کی پیدائش مسلمان پیر کی برکت سے ہوئی

نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ اس بزرگ پیر شریف شاہ کی برکت سے کچھ عرصہ کے بعد ان کے ہاں بقول پنڈت نندکمار دیو شرما۔ لڑکا پیدا ہؤا۔ اور

"شاہ شریف کی برکت یا منت سے لڑکا پیدا ہونے کے باعث اپنے لڑکے کا نام "شہاجی" رکھا۔ کچھ مدت بعد ان کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہؤا۔ جس کا نام انہوں نے "شریف جی" رکھا۔ آگے چل کر شہا کو "شاہ جی" کہنے لگے۔ یہی شاہ جی سیواجی کے والد تھے"

(ویر کیسری شواجی صفحہ ۲۷-۲۸)

سیواجی کے والد کی شادی اعلیٰ گھرانہ میں مسلمان بادشاہ کی طفیل ہوئی

پہلے مسلمانوں نے مالوجی کو فوج میں ملازم رکھا۔ دوسرا ان کی بقائے نسل کے لئے دعا کی۔ اور اُن کا گھر مرادوں اور برکتوں سے بھر گیا۔ اب آگے چلئے اور دیکھئے کہ ان کے بیٹے شاہ جی کی شادی بھی ایک معزز گھرانہ میں مسلمان سلطان ہی کے طفیل ہوئی۔ حالانکہ وہ اگر ان کی مدد نہ کرتا۔ تو یہ یقیناً ناکام رہتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ ہولی کا جشن منایا جا رہا تھا۔ ایک دوسرے پر رنگ پھینکا جا رہا تھا۔ اسی دوران میں مالوجی اپنے خورد سال لڑکے "شاہ جی" کو ساتھ لئے وہاں جا پہنچے۔ لڑکا خوش شکل تھا۔ لکھوجی نے پیار کیا۔ اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اتفاق کی بات ہے۔ کہ اسی عرصہ میں لکھوجی کی خورد سالہ لڑکی جیجا بائی بھی وہاں آگئی۔ اور یہ دونوں خورد سال بچے آپس میں کھیلنے لگ گئے۔

اور بڑوں کو دیکھکر یہ بھی ایک دوسرے پر گلال پھینکنے لگے۔
ان بچوں کو اس طرح کھیلتے دیکھکر

"لکھوجی کو بڑا آنند ہوا۔ اور ہنسی کے طور پر بولے۔ کہ جیجی! یہ دولہا تجھے پسند ہے؟ واہ کیسی اچھی جوڑی ہے" لکھوجی نے یہ لفظ محض ہنسی میں زبان سے نکالے تھے۔ مگر شاہ جی کے والد مالوجی اور چچا بٹھوجی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور حضار مجلس کو مخاطب کرکے کہنے لگے۔ کہ بھائیو! سنو۔ لکھوجی یادؤ راؤ کیا کہتے ہیں۔ آج سے یادؤ راؤ ہمارے سمدھی ہو گئے۔ اب جیجا بائی ہمارے بیٹے کی دلہن ہو چکی۔ اب جو کچھ فیصلہ ہو چکا ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ پنچائت میں جو کچھ بڑے آدمی کہہ دیتے ہیں۔ اس سے پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ اور اس طرح انہوں نے ساری مجلس کو گواہ بنا لیا۔ اور وہ بھی ان کی مؤید ہو گئی"۔ (شواجی ص۲۹)

لکھوجی نے تو محض ہنسی میں یہ بات کہی تھی۔ اُسے خواب میں بھی اس اس کا خیال نہ تھا۔ کہ اس کے الفاظ یہ رنگ اختیار کر جائینگے۔ بہرحال یہ قصہ بہت طول طویل ہے۔ اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ سیواجی کے دادا مالوجی اور اُن کے بھائی بعد میں بھی اس رشتہ پر اصرار کرتے رہے مگر چونکہ لکھوجی کی بیوی اس رشتہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس لئے جب اُسے اطلاع ہوئی۔ تو اُس نے اپنے خاوند کو جھاڑ بتلائی۔ اور کہا۔ کہ ہم عالی خاندان ان لوگوں کو اپنی لڑکی کیسے دے سکتے ہیں جو کہ ہمارے ملازم ہیں۔ ماتحت ہیں۔ رعیت ہیں۔ غریب ہیں۔ پھر ان کا خاندان بھی

ہمارے خاندان سے کم رتبہ ہے۔ ہم لڑکی کی شادی اپنے ہم رتبہ لوگوں میں ہی کریں گے۔ جب لڑکی والوں کی طرف سے ٹکا سا جواب مل گیا۔ تب بھی ان دونوں بھائیوں نے ضد نہ چھوڑی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لکھوجی یادَوراؤ ان کی پیہم ضد اور گستاخیوں کو برداشت نہ کر سکا۔ اور اپنے مختار کو حکم دے دیا۔ کہ ان کو ملازمت سے الگ کر دو۔ اور آئندہ یہ میری جاگیر میں نہ رہنے پائیں۔ چنانچہ دونوں بھائی ملازمت سے برخاست ہو کر۔ پھر اپنے گاؤں میں جا بسے۔ اور وہاں کھیتی باڑی کر کے اپنا گذارہ کرنے لگے۔ مگر باوجود اس ناکامی و ذلت کے پھر بھی ان کے دل سے یہ خواہش مٹ نہ سکی۔ اور اندر ہی اندر اس کے لئے جوڑ توڑ کرتے ہی رہے۔ کچھ مدت گذر جانے کے بعد انہیں زمین میں مدفون کہیں سے کچھ مال مل گیا جس پر انہوں نے اپنی حالت سنواری۔ اور کچھ لوگ اپنے ارد گرد جمع کر لئے۔ اور جوشِ انتقام میں آکر اپنے ولی نعمت سردار لکھوجی کی جاگیر میں لوٹ مچانا شروع کر دیا۔ جب اس پر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس سردار کے مخالفین سے مدد مانگی۔ اور اُن سے مدد لے کر پھر اودھم مچانا شروع کر دیا۔ مگر یادَوراؤ پھر بھی ان کی طرف ملتفت نہ ہوا۔ جس پر انہوں نے احمد نگر کے سلطان سے درخواست کی اور روئے پیٹے۔ کہ لکھوجی یادوراؤ نے بھری مجلس میں اپنی لڑکی کی نسبت ہمارے لڑکے شاہ جی سے کر دی تھی۔ مگر اب انکار کر کے ہماری توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔ کہ اگر ہماری درخواست منظور نہ ہوئی۔ تو ہم اور بھی اودھم مچائیں گے۔ اس پر سلطان احمد نگر نے اپنے سردار لکھوجی یادَوراؤ کو بلایا اور اُسے جھاڑا۔ کہ تم نے لڑکی کا رشتہ تجویز کر کے پھر انکار کر دیا۔ یہ سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ لہذا

اپنی لڑکی کی شادی شاہ جی سے کر دو۔ مگر لکھوجی نے ساری کیفیت عرض کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا۔ کہ چونکہ ان کا گھرانہ ہمارے گھرانے سے کمتر ہے۔ یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں۔ اس لئے ہم ان سے رشتہ کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ بادشاہ نے مکرر کہا مگر اس نے پھر انکار کیا۔ (۸ ۳۹تا۳۲)

مسلمان بادشاہ کی تعجب خیز فیاضی

اس پر بادشاہ نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ ان لوگوں کی ضرور دادرسی کروں گا۔ چنانچہ اس نے لکھوجی کے عذر کو توڑنے کے لئے ایسی فیاضی کا نمونہ دکھایا۔ کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ کتنے فیاض کتنے دریادل اور کتنے ہمدرد و غمگسار تھے۔ کہ اپنی حاجتمند رعایا کی خواہ وہ کتنی ہی بےحیثیت اور ادنیٰ درجہ کی ہو۔ انتہائی دلسوزی کے ساتھ حاجت روائی فرماتے تھے۔ چونکہ لکھوجی کو رشتہ کرنے سے محض اس لئے انکار تھا۔ کہ یہ لوگ نبہ حال، غریب، مفلوک اور بےحیثیت ہیں۔ اس لئے والئ احمدنگر نے ان دونوں

مسلمان بادشاہ نے سیواجی کے دادا کو رنک سے راجہ بنادیا

بھائیوں کو اپنے حضور بلایا۔ اور ان کی دلدہی و دلداری کرتے ہوئے بقول پنڈت نند کمار دیو شرما بادشاہ سلامت نے مالوجی اور بٹھوجی

"دونوں بھائیوں کو بارہ بارہ ہزار گھوڑ سوار کا منصب عطا فرمایا۔ اور مالوجی کو راجہ کا خطاب دیا۔ اور شونیر اور چاکن کا قلعہ اور اس کے نزدیک کا علاقہ اور اخراجات کے لئے پونا اور سوپا کے اضلاع بطور جاگیر عطا فرمائے۔ یہ واقعہ سمت ۱۶۶۱ بکرمی اور ۱۶۰۴ء میں ظہور میں آیا۔" [۱]

---

[۱] (ویر کیسری شیواجی صفحہ ۳۷-۳۸)

یہی نہیں بلکہ

"شوِدگ دِ جے میں مالوجی کی جاگیر کی بہت بڑی فہرست دی ہوئی ہے جس میں پونا۔ ناسک۔ احمد نگر اور نان دیش کے کچھ پرگنے بھی شامل ہیں" (۔ فٹ نوٹ ص۳۸)

" مالوجی نے اپنی ہمت و استقلال کی بدولت نظام شاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔" ساتیاں بھٹے کو نوآل اب ڈر کا ہیکو" بس پھر کیا تھا۔ مالوجی کی بن آئی۔ لکھوجی یا دو راؤ کو بھی یہ عذر نہ رہا۔ کہ مالوجی ان کے برابر کے نہیں۔ نظام شاہ نے مالوجی کو اور لکھوجی یادو راؤ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے اہل وعیال اور عزیزوں کو دولت آباد لائیں جس پر دونوں خاندان آگئے۔ نظام شاہ سلطان کے حکم کے ماتحت وہاں جیجا بائی اور شاہ جی کا بیاہ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ شادی میں خود بادشاہ سلامت شریک ہوئے۔ اور ان کی موجودگی کی وجہ سے حکومت کے دیگر امیر اور امراء۔ افسر اور سردار بھی شامل ہوئے" (وبر کیسری شواجی ص۳۹)

نیک دل ہندوؤں سے خطاب اصل واقعہ ہم نے لکھ دیا۔ اب ہمارے شریف اور نیکدل ہندو بھائی اسے پڑھیں اور انصاف سے بتلائیں۔ کہ اس قسم کی رواداری۔ فیاضی اور دریا دلی کی نظیر کسی اور قوم کی تاریخ میں بھی ملتی ہے؟ کیا مخالفین اسلام کا ایسے شریف، بے تعصب، پاک طینت، دریا دل اور فیاض سلاطین کو ہندوؤں کا دشمن۔ ہندو دھرم کا مخالف اور ہندو تہذیب کو ملیا میٹ کرنیوالا بتلانا حق وانصاف پر مبنی ہے؟

ہمارے پیارے ہندو بھائیو! سوچو۔ غور کرو اور پھر غور کرو۔ ہاں پھر غور کرو۔ کہ جو لوگ اپنی غیر مسلم رعایا پر اتنی نوازشیں فرمانے والے تھے جو نہایت ہی زبون اور ادنیٰ حیثیت کے فریادیوں کو بھی ان کو بامراد کرنے کے لئے اپنے ادنیٰ اشارے سے رنک کو راجہ بنا دیا کرتے تھے۔ کیا وہ اسی لائق ہیں۔ کہ انہیں ہندوؤں کا دشمن اور ہندو دھرم کا تباہ کرنیوالا کہا جائے؟

سیواجی کے دادا مالوجی اور ان کے بھائی بٹھوجی کی کیا حیثیت تھی؟ وہ معمولی کسان تھے۔ یادوراؤ کی جاگیر میں ایک معمولی پیادہ کی حیثیت سے رہتے تھے۔ جو کچھ مدت کے بعد شلا داروں (صلہ داروں) میں بھرتی کر لئے گئے تھے۔ بس یہی ان کی حیثیت تھی نا؟۔ اس سے زیادہ تو وہ کچھ نہ تھے نہ انہیں کوئی خاندانی اعزاز حاصل تھا۔ نہ حکومت کی طرف سے کوئی خطاب یا جاگیر حاصل تھی۔ اور نہ ہی اُن کے پاس کوئی ذاتی جائداد تھی۔ مگر ایسی پتلی سقیم اور زبون حالت میں ہوتے ہوئے بھی مسلمان بادشاہ کی نظر عنایت ان پر ہو گئی۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے محسن بادشاہ کے ادنیٰ اشارہ کی بدولت رنک سے راجہ ہو گئے۔

اور جو لوگ نان شبینہ تک کے محتاج تھے۔ وہ پُونا۔ سُوپا دو ضلعوں کے علاوہ اور کئی پرگنوں کے جاگیر دار بن کر مال و زر میں کھیلنے لگ گئے۔ اور کنگال ہوتے ہوئے بھی مسلمان بادشاہ کی طفیل مالا مال بن گئے۔

کیا یہ واقع اس امر کا مظہر نہیں۔ کہ شاہانِ اسلام صد درجہ کے رحمدل ہمدرد۔ کمال درجہ کے دریا دل اور فیاض، اور اپنی داد و دہش اور سخاوت میں بے مثال تھے۔ جو کہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک پر لطف و احسان کی بارشیں برسایا کرتے تھے؟

مقامِ غور ہے - اگر والیٔ احمد نگر اس وقت ان خستہ حال فریادیوں کی فریاد نہ سنتا - ان کی دلدہی اور دلداری نہ کرتا - ان کے ظرف سے کہیں زیادہ ان پر الطاف ہائے خسروانہ کا مینہ نہ برساتا - تو کیا یہ ممکن تھا کہ یہ خاندان نہ صرف احمد نگر بلکہ سارے دکھن میں اس قدر معزز، محترم اور صاحب اقتدار ہو جاتا ؟ - کیا والیٔ احمد نگر کی فقید النظیر ذرہ نوازی کا ہی یہ نتیجہ نہ تھا - کہ اتنی بڑی جاگیر - اتنا بڑا اقتدار - اتنا بڑا اعزاز اور اتنے بڑے رُتبہ کی بدولت مالوجی کا پوتا "شوا" سے سیواجی، پھر راجہ سیواجی اور اس سے بڑھ کر "مہاراجہ سیواجی مہاراج" بن گیا ؟

تعصب کی بدترین مثال

جو لوگ انصاف پسند اور حقیقت شناس ہیں - وہ تو اس تعجب خیز اور انسان کو محوِ حیرت بنا دینے والے واقعہ کو پڑھ کر تاجدارانِ دکن کی صفت و ثنا کئے بغیر نہیں رہ سکتے - لیکن جو اس خوبی اور وصف سے محروم ہیں - اور جنھیں تعصب میں مبتلا ہونے کے باعث شاہانِ اسلام کی ہر ایک خوبی عیب نظر آتی ہے - وہ یہ کہے بغیر نہیں رہیں گے - جیسا کہ اسی پنڈت نند کمار دیو شرما نے بھی لکھا ہے - کہ چونکہ انہی دنوں والیٔ احمد نگر کو مغلوں کے حملہ کا خطرہ تھا - بلکہ جنگ کی حالت قائم تھی - اس لئے

"نظام شاہ نے یہی مناسب سمجھا - کہ کسی طرح مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے - اگر اس وقت مالوجی اور بھوجی مرہٹہ سردار (؟) نظام شاہ سے ناراض ہو کر مغلوں سے جا ملتے - تو نظام شاہ کو ایک اور نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا - اس لئے اس کا یہ فعل سیاسی مصلحت کی وجہ سے تھا" (ویر کیسری شواجی صفحہ ۳۵)

والیٔ احمد نگر کے اس فقید المثال احسان اور بے نظیر فیاضی پر۔ اس ہندو مصنف نے جس طرح مٹی ڈالنا چاہی ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے ہماری طرح محترم ناظرین کے قلوب نے بھی اذیت محسوس کی ہوگی۔ اور انہیں نظر آگیا ہوگا۔ کہ قومی تعصب میں مبتلا ہو کر ایک انسان جادۂ راستی سے کس بُری طرح سے گر سکتا ہے۔ اور ہمیں تو یہ بھی توقع ہے۔ کہ ہمارے نیک دل اور شریف ہندو بھائی بھی ہندو مصنف کی اس دماغی پستی پر ضرور حیرت زدہ ہوں گے۔ اور اس کی بے ہودہ توجیہ پر چونک اٹھیں گے۔ اور انہیں حیرت ہوگی۔ کہ مغلوں کے حملہ کے وقت "مالوجی اور بھٹوجی" کہاں کے "مرہٹہ سردار" تھے۔ کہ جن کی امداد کے لئے والیٔ احمد نگر اتنا بیقرار تھا۔ کہ ان کی استمالت کے لئے جھٹ پٹ انہیں ۱۲ ہزاری منصب پر سرفراز فرما دیا؟ اور اپنے معزز درباری لکھوجی یادو راؤ کو شاہ جی کو داماد بنانے پر مجبور کر دیا۔

کس قدر حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ یہی مصنف ہمیں خود بتلاتا ہے۔ کہ جس وقت ان دونوں بھائیوں نے والیٔ احمد نگر کے حضور فریاد کی۔ تو اس وقت وہ نوکری سے برخاست، بے خانماں اور لوٹ مار پر اپنا گذارہ کرنے والے تھے۔ اور نہ ان کے پاس کوئی جائداد تھی۔ نہ جاگیر تھی۔ نہ ملازمت تھی۔ اور نہ ہی کسی قسم کا اعزاز حاصل تھا۔ پھر وہ اس سقیم اور زبون حالت میں ایسے "مرہٹہ سردار" کیسے بن گئے۔ کہ اگر والیٔ احمد نگر ان کی دلدہی و دلداری نہ کرتا۔ ان کی خوشامد اور چاپلوسی نہ کرتا۔ تو وہ ناراض ہو کر مغلوں سے جا ملتے۔ اور والیٔ احمد نگر کے مصائب میں مزید اضافہ کا موجب ہوتے؟۔

چونکہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کا موجب قومی تعصب ہے۔ اس لئے جذبۂ نفرت نے اس مصنف کو بات بنانے کے شعور سے بھی محروم کر دیا۔ خیر یہ تو

ایک جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم بتلاتے ہیں۔ کہ مسلمان سلطان نے سیواجی کے غیر معروف، گمنام اور مفلوک الحال آباؤ اجداد پر۔ اور بھی کس قدر اعزاز و اکرام کے پھول برسائے۔ اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زیر بار احسان بنادیا۔ یہی مصنف نند کمار دیو شرما ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ سیواجی کا دادا مالوجی اپنے ولی نعمت آقا کے الطاف ہائے خسروانہ و نوازش ہائے شاہانہ کو دیکھتے ہوئے اتنا احسان مند اور رہین منت ہوا کہ اس نے اپنی باقی عمر اسی دربار کی خدمت و غلامی میں بسر کر دی۔ اور جب وہ مر گیا۔ تو اس وقت

مسلمان بادشاہ نے سیواجی کے والد کو بھی راجہ بنا دیا

مسلمان بادشاہ نے اس کی اولاد سے جاگیر اور دیگر اعزاز واپس نہیں لئے۔ جیسا کہ اس وقت کا دستور تھا۔ بلکہ بقول پنڈت نند کمار دیو شرما

"مالوجی کی موت کے بعد نظام شاہ نے (اس کے بیٹے) شاہ جی کو ان کی جاگیر اور منصب عطا کیا۔
سنہ ۱۶۲۹ء تک وہ نظام شاہ کے ہاں ہی رہے۔ اور اپنی دانشمندی اور بہادری کی بدولت ترقی کرتے رہے۔"

والد سیواجی کا انتہائی عروج

سیواجی کے والد شاہ جی۔ اپنے مہربان، شفیق اور قدر شناس ولی نعمت آقا کی بدولت اتنی ترقی کر گئے۔ اور اتنا قرب حاصل کر لیا کہ بقول پنڈت نند کمار دیو شرما

"شاہ جی نظام شاہ کی عدم موجودگی میں تخت شاہی پر بیٹھتے تھے۔ لکھوجی یادو راؤ (ان کے خسر) وغیرہ بڑے بڑے

سرداروں کو اس شاہی تخت کے آگے سر جھکانا پڑتا تھا۔"
(دیر کیسری شواجی فٹ نوٹ ص۵)

اور شاہ جی کے اس غیر معمولی عروج کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مرہٹہ سردار اور خود شاہ جی کے خسر کو بھی حسد ہوا۔ اور اُسے اپنے داماد کا یہ اعزاز بُرا لگا۔ اور
"اسی سے چڑ کر اُس نے اپنا ایک وکیل مغل دربار میں بھیجا۔
اور مغل شہنشاہ کو نظام شاہ پر چڑھائی کرنے کے لئے اُکسایا۔
(جس پر) مغل شہنشاہ شاہ جہان نے ساٹھ ہزار فوج یادو راؤ
اور دیگر مرہٹہ سرداروں کے انور ودہ (تحریک) پر نظام شاہی
پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کی" (دہ ص۱۵ فٹ نوٹ)

سیواجی کے باپ پر نظام شاہ کا ضرورت سے زیادہ پریم، لطف و احسان کی بوچھاڑ اور اعزاز و اکرام میں اضافہ دوسرے مرہٹہ سرداروں کو شاق گذرا۔ اور انہوں نے محض شاہ جی کو ذلیل کرنے کی خاطر مغل شہنشاہ سے ساز باز کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نظام شاہی دربار کو اپنی ضرورت سے زیادہ دریادلی اور حد سے سوا فیاضی کا نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اور وہ وقت آگیا۔ کہ اس کے نمکخوار غلام مگر حاسد و بدطینت مرہٹہ سرداروں کی ساز باز کی بدولت احمد نگر کی پُرانی حکومت ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گئی۔ اور اس پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔ اگرچہ شاہ جی اپنے دربار کی طرف سے مغلوں سے لڑتا رہا۔ مگر تابکے؟ آخر اُسے بھی شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

بیجاپور کے سلطان کی سیواجی کے والد پر حد سے زیادہ نوازش

جب سیواجی کا باپ اس طرف سے مایوس ہو گیا۔ تو اُسے دکن کی ایک دوسری مسلمان حکومت کی پناہ لینی پڑی

چنانچہ اُسے بیجاپور کے دربار میں ملازمت مل گئی جس کے مسلم تاجدار کے روایتی ایثار اور دریادلی کی بدولت شاہ جی کو نہ صرف اس کی جاگیر پھر مل گئی۔ بلکہ اس کی اور بھی بہت کچھ عزت افزائی اور قدردانی کی گئی۔ اور آگے پہلے سے بھی زیادہ اعزاز اور مرتبہ مل گیا۔ یہی نہیں بلکہ اسے مسلمان سلطان نے صوبہ کرناٹک کا بااختیار گورنر تک بنا دیا۔ جیسا کہ لالہ لاجپت رائے بھی بایں الفاظ اقراری ہیں کہ :۔

"دربار بیجاپور نے بہت کچھ اس کی قدردانی کی۔ اور اس کی جاگیر میں واس کے منصب میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ دربار بیجاپور میں شاہ جی درجہ اول کے منصب داروں میں شمار ہونے لگا۔ اور کرناٹک کی فتح کے بعد اس صوبہ کا بااختیار گورنر مقرر ہوا" (سیواجی" صکہ ۹)

والیٔ بیجاپور کی سیواجی کی خاطرداریاں

یہی نہیں بلکہ والیٔ بیجاپور شاہ جی کے بیٹے سیواجی کو بھی محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کی دلداری کرتا۔ اس سے شفقت آمیز سلوک کرتا تھا۔ حتٰی کہ جب سیواجی اپنی والدہ کے ساتھ پونا سے شاہ جی کے پاس بیجاپور آیا۔ تو اس مسلمان سلطان نے سیواجی کی خاطر اپنے ہاں گاؤکشی بھی بند کروا دی۔ یہی کیوں اُس نے تو یہاں تک شاہ جی کے بیٹے کو نوازا۔ کہ اس نے اپنے دربار کے ایک نہایت معزز مرہٹہ سردار کی لڑکی سے دوسری شادی بھی کروا دی۔ اور اس شادی میں خود شریک ہوا۔ اور دولہا دلہن کو بہت سے زر و جواہر اور بیش قیمت تحائف عطا فرمائے۔ جیسا کہ پنڈت نند کمار دیوشرما نے بھی اپنی کتاب "ویر کیسری شواجی" میں لکھا ہے۔

کہ جب سیواجی اپنی والدہ کے ہمراہ شاہ جی کے بلانے پر پونا سے بیجاپور آیا - تو بیجاپور گاؤ کُشی ہوتی دیکھ کر اُسے تکلیف محسوس ہوئی - اور اُس نے اپنے باپ سے کہا - کہ میں دربار میں جاتا ہوں تو راستہ میں یہ دلخراش منظر دیکھا نہیں جاتا[۵] - اس لئے آئندہ میں دربار میں نہیں جا سکوں گا - یہ بات شاہ جی نے دربار بیجاپور کے امیر الامراء میر جُملہ سے کہی - اور ساتھ ہی یہ بھی کہا - کہ اس سے ہندو رعایا کی دلآزاری ہوتی ہے - اگر یہ بند ہو جائے تو بہتر ہو - چنانچہ .... جب بادشاہ سلامت نے شاہ جی سے دریافت کیا - کہ آج سیواجی دربار میں کیوں نہیں آیا - تو اس پر میر جُملہ نے عرض کیا کہ چونکہ بازار میں گئو کشی ہوتی ہے - جس سے ہندو رعایا کی دلآزاری ہوتی ہے - اور سیواجی بھی اس سے تکلیف محسوس کرتا ہے - اس لئے وہ اس نظارہ کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے آج دربار میں حاضر نہیں ہو سکا اس پر بادشاہ سلامت نے فرمایا - کہ اس بارہ میں بہت جلد انتظام کیا جائے گا - چنانچہ والیٔ بیجاپور نے سیواجی اور اپنی ہندو رعایا کی خاطر فوراً یہ فرمان صادر کیا کہ :-

سیواجی کی خاطر گئو کشی بند کر دی گئی

"آئندہ شہر میں کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے - اور نہ ہی گائے کا گوشت

---

[۵] سیواجی اپنی والدہ کے ساتھ پونا میں رہتا تھا - اور اس کا اتالیق - اور جاگیر کا کارمختار ایک براہمن تھا - اور اس کے علاوہ اور بھی کئی براہمن اس پر اپنا مذہبی اور سیاسی اثر ڈالا کرتے تھے - یہی وجہ ہے - کہ وہ اس قسم کی تکلیف محسوس کرتا تھا - ورنہ بیجاپور میں اور بھی تو سینکڑوں مرہٹے رہتے تھے - خود اس کا باپ بھی وہیں رہتا تھا - احمدی مہاجر

فروخت کرے۔ اور جو اس حکم سے سرتابی کرے گا۔ اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ چونکہ یہ کام ہندو دھرم کے خلاف ہے۔ اس لئے جو شخص ہندوؤں کے سامنے گئوکشی کرے گا۔ یا گائے کا گوشت فروخت کرے گا۔ اور اس موقعہ پر اگر کوئی ہندو اس سے بھڑک کر کسی (قصاب) کو مار ڈالے گا۔ تو اس مقتول کے لواحقین کی فریاد نہیں سنی جائے گی۔ (چنانچہ) بادشاہ کا یہ فرمان اسی وقت شہر میں مشتہر کر دیا گیا۔ اور قصائیوں کو شہر کے دکھنی حصہ میں رہنے کا حکم ملا۔ اس قسم کا انتظام ہو جانے پر سیواجی مہاراج اپنے والد کے ہمراہ دربار میں پھر جانے لگے۔" (ویر کیسری شواجی ص۹۶)

مسلمان سلطان کا سیواجی کو تحائف دینا

"۔ان کی زیرکی، دانائی اور ارادہ کی مضبوطی کو دیکھ کر بادشاہ کو اس سے اور بھی الفت ہو گئی۔ بادشاہ نے کئی باران کو قیمتی پارچات۔ زیورات۔ میوہ۔ مٹھائی وغیرہ عطا فرمائی تھی۔" (ویر کیسری شواجی ص۹۷)

اِدھر تو شاہ جی کے "لال" پر ایسی نوازشیں اور شفقتیں ہو رہی تھیں. اُدھر سیواجی اپنے براہمن اتالیق اور گورو اور دیگر انقلاب پسند اور اسلام دشمن براہمنوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر اسلامی سلطنت اور اسلامی آثار کو دیکھ دیکھ کر دل میں کڑھتا اور جھنجلاتا تھا۔ اور بعض اوقات تو اتنا بے تاب ہو جاتا تھا۔ کہ اپنے اندرونہ کو مخفی بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی معاندانہ حالت اس کے والد پر بھی مخفی نہ رہ سکی۔ اور اسی دوران میں ایک اور واقعہ ہو گیا۔ ایک دفعہ سیواجی اپنے بعض دوستوں کے ساتھ

گھوڑے پر سوار ہو کر گھر سے نکلا۔ تو اُس نے دیکھا کہ ایک شخص بازار میں گائے کا گوشت فروخت کر رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی بقول پنڈت کمار دیو شرما سیواجی

"اپنے غصہ کو روک نہ سکا۔ اور اپنے کمر سے تلوار نکال کر قصائی کا سر اڑا دیا۔ (اس پر) قصائی کی بیوی روتی پیٹتی۔ سیواجی کے اس فعل کے خلاف فریاد کرنے گئی۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ کہ سیواجی نے جو کچھ کیا ہے۔ مناسب کیا ہے۔ جب یہ حکم دیا جا چکا کہ شہر میں گو مانس نہیں بک سکتا۔ تب اس نے اسے فروخت کرنے کی کیوں جرأت کی۔ اس لئے اُسے جو سزا ملی وہ درست ہے۔" (۴)

"اس واقعہ نے شہر میں ہلچل مچا دی۔ کٹر مسلمان بادشاہ کے اس حکم پر بڑے بگڑے۔ شہر میں جدھر دیکھو۔ اس کا چرچا تھا۔ .... مسلمانوں میں جو ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اس کا جب شاہ جی کو

شاہ جی کا مسلم سلاطین کے گرانقدر احسانات کا اعتراف

علم ہوا۔ تو اس نے سیواجی کو بلایا۔ اور بہت کچھ سمجھانے کے بعد کہا۔ کہ

"پیارے شِوا! مسلمانوں کی خدمت کرنے کی بدولت ہی تمہارے آباؤ اجداد ایک پیادہ کی حیثیت سے اتنے بلند ترین مقام تک پہنچے۔ اور یہ اعزاز حاصل کیا ہے۔ اگر میں بھی تمہاری طرح ایسے کام کرتا۔ تو دنیا میں کہیں بھی ٹھکانا نہ تھا۔" (۴)

سیواجی کی اندرونی کیفیت

یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ اُتار چڑھاؤ کی باتیں کیں۔ مگر برہمنوں کے اثر میں متوالا سیواجی

کیسے راہ راست پر آتا۔ مگر چونکہ مسلم تاجدار کو اس کے مخفی ارادوں اور اندرونی خیالات کا علم نہ تھا۔ اس لئے وہ اس پر لطف و احسان کا مینہ برساتا ہی رہا۔ اور اس کی انتہائی شفقت و محبت کا بھی سمر تھ رام داس براہمن کے اس مرید خاص پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا۔ اور کبھی بھول کر بھی اس کے دل میں اپنے حقیقی محسن اور ولی نعمت کے لئے شکر گذاری و احسانمندی کے جذبات پیدا نہ ہو سکے۔

یہ تو تھی سیواجی کے دل کی اندرونی کیفیت۔ اب مسلم تاجدار کی شفقت بزرگانہ کا مزید حال بھی سُن لیجئے۔ یہی پنڈت نند کمار دیو شرما بتلاتے ہیں کہ

"ایک دن شاہ جی سیواجی کو ہمراہ لے کر دربار میں حاضر ہوئے تو انہیں دیکھ کر عادل شاہ (والئ بیجاپور) نے شاہ جی سے پوچھا۔ کہ کیا آپ کے بیٹے سیواجی کا بیاہ ہو چکا ہے؟ شاہ جی نے جواب دیا۔ کہ سیواجی کا بیاہ پونا میں ہوگیا ہے۔ اس پر عادل شاہ نے کہا۔ واہ! یہ کیسا بیاہ؟ جس میں میں اور آپ شامل ہی نہ تھے! اب میں اس کا دوسرا بیاہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ یہاں کروں گا" عادل شاہ کی اس خواہش پر شاہ جی نے سیواجی کا دوسرا بیاہ ایک مرہٹہ سردار کی بیٹی سے (بیجاپور) میں کیا۔ یہ بیاہ بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ اس بیاہ میں خود عادل شاہ شریک ہوئے۔ حکومت بیجاپور کے تمام سردار اور معزز ارکان بھی اس بیاہ میں شامل ہوئے۔

سیواجی کی شادی مسلمان بادشاہ نے کروائی

دُولہا اور دُلہن کو سرداروں نے اور خود عادل شاہ نے نہایت اعلیٰ اور بیش قیمت تحائف عطا فرمائے۔ شاہ جی نے بڑے اہتمام اور کرّ و فر کے ساتھ عادل شاہ اور بیجاپور کے دیگر سرداروں کی دعوت کی۔ سیواجی کی دوسری بیوی کا نام سویرا بائی رکھا گیا۔" (دیہہ کیسری شواجی ص۸۶)

یہی نہیں اس خاندان پر شاہان اسلام نے اور بھی بہت سی مہربانیاں کیں۔ ان کی شان اور مرتبہ کو بڑھایا۔ ان کے اثر اور اقتدار کو تقویت پہنچائی۔ ان کے اعزاز و اکرام میں اضافہ فرمایا۔ اور انہیں اتنی قدرت بخشی۔ کہ آگے چل کر یہ دوسروں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے بن گئے۔ جس کو اگر بالتفصیل لکھا جائے۔ تو ایک اچھی خاصی جلد تیار ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ہم ان محدود صفحات کو مزید تفصیل کا متحمل نہیں پاتے۔ اور نہ ہی فی الحال ہماری مخدوش صحت ہی مزید محنت و کاوش کی اجازت دیتی ہے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی اور زندگی نے وفا کی۔ تو اسی موضوع پر تفصیل سے لکھیں گے۔ اور اس خاندان کے علاوہ اس وقت کے باقی تمام مشہور اور نامور ہندو۔ براہمن۔ مرہٹہ اور دیگر غیر مسلم سرداروں اور رئیسوں کے متعلق بتلائیں گے۔ کہ ان میں سے ہر ایک نہایت ہی ادنیٰ اور معمولی حالت میں دنیا کی سٹیج پر آیا۔ مگر شاہان اسلام کی عدیم المثال فیاضیوں کی بدولت آسمان دکن کا روشن ستارہ بن گیا۔

اس لئے تفصیل کو کسی اور موقعہ کے لئے چھوڑتے ہوئے یہاں نمونۃً ایک مرہٹہ خاندان کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کر دیا۔ اسی سے اس وقت کے باقی نامور ہندو۔ براہمن اور مرہٹہ سرداروں کے متعلق سمجھ لیجئے۔

کہ وہ سب کے سب جو کچھ بھی بنے۔ تاجدارانِ اسلام کی طفیل ہی بنے۔ اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلمان تاجداروں کی مشفقانہ توجہ اور خسروانہ نوازش صرف چند گھرانوں تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے قوم کی قوم کو فرش سے اُٹھایا۔ گلے لگایا، اور پھر سہارے پر سہارا دے کر انہیں ترقی و عروج کی انتہائی بلندیوں پر لا بٹھایا۔ اور اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں کے حقوق کا اتنا خیال نہیں رکھا۔ جتنا کہ اپنی غیر مسلم رعایا کے حقوق کو نگاہ میں رکھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ۱۷ ویں صدی میں جبکہ سیواجی کے صلاح کار مرہٹے اور یار غار براہمن اور روحانی مُرشد سمرتھ رام داس اسکو مسلمانوں کے خلاف اُکسا رہے تھے۔ اُس وقت

مسلم تاجدارانِ دکن کی حد سے زیادہ فیاضیوں کا نتیجہ

اسلامی حکومت کے ہر صیغہ، ہر محکمہ، ہر دفتر اور ہر قلعہ اور ہر ایک علاقہ میں غیر مسلم ہی غیر مسلم صاحبِ اختیار و ذی اقتدار نظر آتے تھے۔ اور ہر جگہ انہیں کا طوطی بولتا تھا۔ خزانہ اُنہی کی تحویل میں تھا۔ فوج بھی اُنہی کے اختیار میں تھی۔ قلعے بھی اُنہی کے تسلط میں تھے۔ صرف تختِ حکومت پر مسلمان بادشاہ دکھائی دیتے تھے۔ یا اُن کے دربار میں چند اور مسلمان صورتیں دیکھنے والے کو نظر آ جاتی تھیں۔ اور یہ سب کچھ مآل تھا۔ شاہانِ اسلام کی حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی فیاضیوں، ضرورت سے زیادہ دریا دلیوں، حد سے سوا وسیع قلبیوں اور بے تعصبیوں کا۔ ہاں یہ نتیجہ تھا اس جذبۂ ہمدردی و محبت کا۔ کہ جن لوگوں کو آریہ فاتحین نے خاک میں ملا رکھا ہے۔ وہ جس طرح بھی ہو۔

فرش سے اُٹھیں اور عرش پر جا بیٹھیں۔ اور یہ کوئی خالی مُولی باتیں نہیں۔ بلکہ حقائق ہیں اور ناقابل تردید حقائق ہیں جن کے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں غیر مسلم اصحاب کی تحریروں سے اخذ کر کے بہت سے اقتباس درج کر چکے ہیں۔ اور کچھ مزید بھی درج ذیل ہیں۔ انہیں بھی پڑھ لیجئے۔ اور ہمارے دعوٰی کی تصدیق فرمائیے۔ سو اس کے متعلق پہلے شری گوپال دامودر تامسکر ایم۔ اے۔ ایل ٹی کا بیان پڑھ لیں۔ فرمایا کہ:۔

"برخلاف شمالی ہند کے دکن میں زیادہ تر عہدہ دار ہندو ہی رہتے ہے" (مراٹھوں کا اُتھان اور پتن ص۵)

پھر یہی صاحب لکھتے ہیں کہ

"(دکن کی) اسلامی ریاستوں میں بہت سے عہدہ دار ہندو ہی تھے۔ شروع میں انہیں اعلٰی عہدے نہ دئے جاتے تھے (کیونکہ وہ اس وقت تک اس قابل ہی نہ ہوتے تھے۔ ناقل) مگر آہستہ آہستہ انہیں بھی (مسلمان استادوں سے تربیت پا لینے کے بعد۔ ناقل) بڑے بڑے عہدے ملنے لگے۔ اور چھوٹی چھوٹی جاگیریں بھی وہ حاصل کرنے لگے۔ ۱۶ ویں صدی کے آخر میں مرہٹہ سرداروں کے کئی خاندان (شاہانِ اسلام کی سرپرستی کی بدولت۔ ناقل) دکن میں بہت بڑا اثر و اقتدار حاصل کر چکے تھے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ شرکے۔ گھاٹگے۔ گھوڑپڑے۔ موہتے۔ نمباڈک۔ موڑے۔ نمبالکر۔ جادؤ اور بھونسلے۔ ان گھرانوں نے کئی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ بہت سے بہادری کے کام دکھائے۔ کئی حکمرانوں کے عروج و زوال کا

باعث بنے تھے۔ کئی دفعہ چھوٹے چھوٹے دو وزیروں کا بھی کام کیا تھا اس لئے جو کچھ شاہ جی کے متعلق کہہ چکے ہیں وہی ان پر بھی صادق آتا ہے۔ کہ ایک بار اعلیٰ اقتدار اور آزادانہ کام کرنے سے خود مختاری کی خواہش پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ بہمنی حکومت کے پانچ ٹکڑوں میں سے سیواجی کے وقت تک صرف دو۲ ہی ٹکڑے بچے تھے۔ اور ان دونوں حکومتوں کی باگ ڈور ہندو سرداروں کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ مرار جگدیو نے عادل شاہی میں پچیس برس تک وزیر اعظم کے فرائض انجام دئے۔ اسی طرح مرار راؤ۔ جگدیو راؤ۔ رائے راؤ۔ کدم راؤ۔ مدن پنت وغیرہ سرداروں نے قطب شاہی میں بڑے بڑے (ذمہ داری کے) کام کئے تھے۔ اس لئے ایک لحاظ سے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کا راج تھوڑا بہت اُس وقت بھی قائم ہو چکا تھا۔"

(مراٹھوں کا اُتھان اور پتن صفحہ ۹۴)

اسی طرح پنڈت رادھا کرشن جھیا ایم۔ اے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "ان پانچ نئی ریاستوں میں ہندوؤں کو بھی ملازمتیں مل جایا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز کر دئے جاتے تھے۔ . . . . احمد نگر کے برہان شاہ نے ۱۵۲۹ء میں ایک براہمن کو اپنا پیشوا (وزیر اعظم) بنایا تھا۔ تبھی سے نظام شاہی حکومت میں ہندوؤں کی توقیر بڑھ گئی تھی۔ پھر بیجا پور میں بھی جب سے ابراہیم عادل شاہ گدی پر بیٹھے۔ تب سے مہاراشٹر کے رہنے والے لوگوں کو فوج اور حکومت کے

دیگر کاموں میں اچھی جگہیں ملنے لگیں .... مہاراشٹر کے براہمنوں کو بڑی عزت اور عظمت حاصل ہو گئی۔

عادل شاہ نے غیر ملکی (مسلم) سپاہیوں اور منصبداروں کی جگہ مرہٹوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے پاس عام طور پر تیس ہزار مرہٹے سوار تھے۔ وہ سلح داروں کی جگہ برگی سپاہی (مرہٹہ) بھرتی کرنے کے حق میں تھا۔" (بھارت کی شاسن پدھتی صفحہ ۲۲۷)

قبل اس کے کہ ہم مزید اقتباس نقل کریں۔ یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ عام طور پر یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ دکن کے مسلم تاجدار پیدائشی مسلمانوں پر مرہٹوں اور دیگر ہندوؤں کو محض اس لئے موزوں اور ملازمت کے لائق سمجھتے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں سے ہر لحاظ سے قابل اور فائق تھے۔ سو یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ اور اب پھر کہتے ہیں۔ کہ اس وقت کے مسلمان ہر رنگ میں اقوامِ عالم سے زیادہ قابل، زیادہ لائق، اور زیادہ فائق تھے۔ اور دکن کے براہمنوں، ہندوؤں اور مرہٹوں میں جو کچھ قابلیت پیدا ہوئی۔ یہ محض مسلمانوں کی شاگردی کا نتیجہ تھا۔ باقی رہا یہ کہ مسلمان بادشاہ کیوں غیر مسلموں کو مسلموں پر ترجیح دیتے تھے۔ تو اس کا باعث قابلیت یا عدم قابلیت نہ تھی۔ بلکہ اس کا باعث صرف یہ تھا۔

ملکی اور غیر ملکی کے سوال کا نتیجۂ بد

کہ دکن کے بعض ایجی ٹیٹروں اور اپنا اقتدار چاہنے والوں نے ملکی اور غیر ملکی کا سوال اٹھا رکھا تھا۔ جیسا کہ زمانۂ حال میں بھی چند سال سے ہندو مہاسبھائیوں نے حیدر آباد دکن میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی نیت سے ملکی اور غیر ملکی کا سوال کھڑا کر رکھا ہے۔ اور جنہوں نے کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بعض سادہ لوح

مگر مخلص اور محبِ وطن مسلمانوں کو بھی اپنا مؤید اور آلۂ کار بنا لیا تھا چونکہ اُس زمانہ میں شاہانِ اسلام کی فیاضیوں کے صدقے میں بہت سے اہم اور ذمہ داری کے عہدے ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔ اس لئے ان عہدہ داروں کی بھی یہی خواہش ہوتی تھی۔ کہ غیر ملکی (مسلمان) نکال کر ان کی جگہ ملکی (ہندو) بھرتی کئے جائیں۔ تاکہ آہستہ آہستہ اسلامی طاقت کمزور پڑ جائے۔ اور ہر قسم کا اقتدار ہندوؤں کو حاصل ہو جائے۔ چونکہ ملکی اور غیر ملکی کا سوال بظاہر معقول اور دلفریب نظر آتا تھا۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بھی دکن کے بعض مسلمان اس کی دلفریبی پر فریفتہ ہو کر اس کی تائید کرنے لگ گئے تھے۔ اس لئے بادشاہانِ اسلام بھی اس سوال سے متاثر ہو کر مسلمانوں پر غیر مسلمانوں کو ترجیح دینے لگ پڑے۔ اور اپنی غیر مآل اندیشی کی بدولت اپنے زوال کو قریب تر کر لیا۔ اور یہ انہی کی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی فیاضی اور غیر مآل اندیشی کا نتیجہ تھا۔ کہ ملکی اور غیر ملکی سوال کی بدولت ہر جگہ، ہر صیغہ، ہر محکمہ، اور ہر دفتر میں غیر مسلم ہی غیر مسلم چھا گئے۔ اور بقول پنڈت رادھا کرشن جھبا حالت یہ ہو گئی۔ کہ فوجی مرکز اور قلعے تک غیر مسلموں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔

"پہاڑی قلعوں کی حفاظت کی ذمہ داری مرہٹہ سپاہیوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ یا تو خاص سرکار سے تنخواہ پاتے تھے۔ یا جاگیرداروں اور دیش مکھوں کے ماتحت رہتے تھے۔"

اور بقول پنڈت نند کمار دیو شرما۔ ملکی اور غیر ملکی سوال کا بھیانک نتیجہ نکلا۔ کہ ہر جگہ اور مقام پر حاکموں کی بجائے محکوم مسلط و ذی اقتدار ہو گئے۔

"کئی مدبر اور بہادر مرہٹے اسلامی حکومت میں کام کرتے تھے۔

کمل سین نامی برا ہمن بڑا دانا مدبر تھا ۔ وہ نظام شاہی کا دیوان تھا ۔ مُرار جگدیو نامی ایک ہوشیار آدمی عادل شاہی میں بیس ۲۰ پچیس ۲۵ برس تک وزیر اعظم کے عہدہ پر متمکن رہا مطلب یہ ہے ۔ کہ دکن میں مسلمانی اقتدار قائم ہو جانے پر بھی حکومت باگ ڈور مرہٹوں کے ہاتھ میں تھی ۔ نظام شاہی کے آخری دنوں میں سیواجی کا باپ شاہ جی ہی نظام شاہی کے کرتا دھرتا ۔ اور وہ ہاں (مختار مطلق) تھے ۔ کیونکہ ساری سلطنت کا اختیار انہی کے ہاتھ میں تھا ۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ اسلامی سلطنت قائم ہو جانے پر بھی تسلط و اقتدار ہندوؤں کا ہی رہا تھا ۔" (ویر کیسری شواجی صٹ)

اور یہ جو کچھ ہوا ۔ نتیجہ تھا ملکی اور غیر ملکی سوال کی بدولت دکن کے حقیقی محسنوں ، خدمت گذاروں اور اس کی حالت سنوارنے والے مسلمان مخلصوں کو خارج کر کے انہی کے پروردہ و تربیت کردہ محکوموں کو ان کی جگہ بھرتی کرنیکا ۔

اور جب اس سوال کی بدولت راج کاج میں مرہٹوں کا خاص ہاتھ ہو گیا ۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے کہ

"دوسروں کی حکومت کے ماتحت رہنے پر بھی راج کاج میں مرہٹوں کا خاص ہاتھ تھا ۔" (رر صٹ)

تو اس غیر معمولی اقتدار کو حاصل کر لینے کے بعد بقول پنڈت نند کمار دیو شرما

"مرہٹوں کے دل میں سوراج (ہندو راج) کے حصول کی خواہش دن بدن بڑھتی ہی جاتی تھی ۔" (ویر کیسری شواجی صفحہ ۹)

اور یہی کچھ جسٹس راناڈے بھی فرماتے ہیں ۔ کہ ہر جگہ ہندوؤں کے بھرتی ہو جانے کے باعث

" اس طرح ہندوؤں کا اثر چاروں طرف قائم ہو جانے کے باعث گولکنڈہ۔ بیجا پور۔ احمد نگر اور بیدر کی اسلامی حکومتوں کے اکثر وبیشتر اختیارات مرہٹہ سیاستین اور مرہٹہ جنگجوؤں کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ ملک کے تمام گڑھ اور قلعے برائے نام مسلمانوں کے اختیار میں تھے۔ دراصل وہ آزاد مرہٹہ جاگیرداروں کے قبضہ وتصرف میں تھے۔ اس طرح ملک کو محکومی کے بندھنوں سے آزاد کروانے کی سعی آہستہ آہستہ ہو رہی تھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ (مرہٹوں کا اُتکرش ص۔

اور یہ جو کچھ ہُوا۔ مسلمان بادشاہوں کی شقاوت وظلم کی وجہ سے نہیں ہُوا۔ بلکہ حد سے زیادہ رواداریاں اور فیاضیاں دکھانے کی وجہ سے ہُوا۔ اور قریب تھا۔ کہ جس مقصد کے حصول کے لئے ان کے مفتوح ومحکوم، ہاں منظورِ نظر مملوک، حکومت کے ہر ادارہ پر چھائے جا رہے تھے۔ اور براہمنوں کے زیر اثر ہو کر ملک میں خالص ہندو راج قائم کرنے کے لئے درپردہ ساعی تھے۔ وہ ان کے ایک معمولی سے جھٹکے سے پورا ہو جاتا۔ کہ عین اُس وقت، جبکہ دکن میں ہندو راج قائم ہونے والا تھا۔ بقول جسٹس رانا ڈے

" اتنے میں ایک دوسری ہی مصیبت آموجود ہوئی "

وہ "مصیبت" کیا تھی۔ کہ جس نے ان لوگوں کے خواب ہائے شیریں پریشان کر کے رکھ دئے ؟ وہ دہلی کے مغل سلاطین کی دکن کی طرف توجہ اور پیشقدمی تھی۔ بالخصوص حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی توجۂ خاص اور پھر بذات خود دکن تشریف لے جانا تو ان کی صدیوں کی وضع کردہ سکیم اور منصوبوں کے تیا پانچا کرنے کے لئے بے حد "مضر" اور "مہلک" ثابت ہُوا۔

اور براہمنوں کے زیر اثر ہو کر یہ لوگ دکن میں ہندو راج قائم کرنیکے

جو خواب صدیوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ چشم زدن میں خاک میں مل کر رہ گئے۔ کیونکہ حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی دُور بین نگاہوں سے یہ امور مخفی نہ تھے۔ وہ دُور اندیش، مدبر اور ماہر سیاست شہنشاہ اپنی سترہ سالہ عمر میں ہی (جب کہ وہ مغلئی دکن کا صوبیدار بنایا گیا تھا) بھانپ گیا تھا۔ کہ دکن کے مسلمان تاجداروں کی حد سے زیادہ رواداریاں اور ضرورت سے زیادہ فیاضیاں اور جود وسخا کی غیر محل عادت نہ صرف ان کو بلکہ جنوبی ہند میں اسلام اور آثار اسلام کو بھی کسی نہ دن لے ڈوبیں گی۔ اور واقعات بھی اسی بات کی پیشگوئی کر رہے تھے لیکن اس بزرگ اور محترم شہنشاہ نے تخت دہلی پر نزول اجلال فرماتے ہی اس بھیانک اور تباہی خیز فتنہ کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اور اپنی مبارک، مدبرانہ اور بار آور مساعی سے محسن کشوں اور احسان فراموشوں کے صدیوں کے منصوبے قلیل وقت میں ہی مٹی میں ملا کر رکھ دئے۔

حقیقت میں یہ اُسی مرد غازی کی جلیل القدر مساعی کا نتیجہ ہے۔ کہ آج بھی دکن میں اسلامی آثار اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ روشن اور درخشاں ہیں۔ یہ یقینی اور قطعی بات ہے۔ کہ اگر اُس نازک وقت میں وہاں کے کمزور محکوموں کے ہاتھ میں کٹھ پُتلی اور عیش وعشرت میں مبتلا، حکمرانوں کو تخت حکومت سے ہٹا کر حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ اپنا تسلط نہ جماتے۔ اگر دکن کی دیمک خوردہ اندر سے کھوکھلی اور کمزور اسلامی ریاستوں کی جگہ مغل حکومت قائم نہ فرماتے۔ تو یقیناً یقیناً آج دکن کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ اور اس وقت جو کچھ اسلام کے آثار اسلام کے اظلال اور اسلام کی رونق دکن بالخصوص مملکت آصفیہ میں نظر آتی ہے۔ یہ ڈھونڈے سے بھی نظر نہ آتی۔

آج دکن میں اسلامی پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے تو اسی بزرگ شہنشاہ کے

صدقہ میں، کہ جس نے تکلیفیں اُٹھا کر، مصیبتیں جھیل کر، خزانہ لٹا کر، بلکہ اپنی جان شیریں تک اس بلند مقصد پر قربان کر کے اس ملک پر قبضہ کیا۔ اور یہ اُسی نیک مرد کے خلوص اور قربانیوں کا پھل ہے۔ کہ مخالفین کی انتہائی کوششوں پر بھی آج دکن میں اس کی قائم کردہ ریاست اپنی عظمت و شوکت کا ثبوت دے رہی ہے۔ اور بدخواہ حاسدوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹک رہی ہے۔ حضرت اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کی اس آخری نشانی کو مٹانے کیلئے وقتاً فوقتاً انتہائی کوششیں ہوئیں مختلف قسم کے حیلے کئے گئے، منصوبے باندھے گئے۔ اور کئی قسم کی معاندانہ تدبیریں بر روئے کار لائی گئیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے مخلص بندہ کی آخری یادگار کو ہر ایک شر اور بلا سے محفوظ و مصئون رکھا۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہ اُس ولی صفت شہنشاہ کی متبرک نشانی ہر آفت و بلا سے محفوظ رہے گی۔ اور اس کا حکمران خاندان بھی اپنے ولی نعمت شہنشاہ کی دعائے مقبول کی بدولت تا ابد قائم و برقرار رہے گا۔ اور اپنے روایتی تدبر، حُب الوطنی، عدل گستری، علوم نوازی، بے تعصبی، رواداری اور رعایا پروری کے محیر العقول ثبوت پیش کرتا رہے گا +

اس موضوع پر اور بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن حقیقتِ حال سے بے خبر ہندو بھائیوں کو مخالفین اسلام کے مکروہ اور شر انگیز پروپیگنڈا کی اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے یہ بھی کافی سے وافی ہے۔ اور ہمارے فہیم، شریف اور نیک دل ہندو بھائی اسی سے سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ دشمنانِ حق کا عام پبلک کو اسلام اور شاہانِ اسلام سے متنفر و بیزار کرنے کے لئے یہ کہنا کہ

"اسلام نے اپنے پیرووں کو جبر و تشدد کی تعلیم دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعصب و تنگدلی کا سبق پڑھایا۔

اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے زمانۂ اقتدار میں غیر مسلموں پر، اپنے مفتوحوں اور محکوموں پر بے دریغ ظلم کئے، ستم ڈھائے، اور جی بھر کر ان کی توہین کی" اپنے اندر رتی بھر بھی سچائی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہم نے بفضلہ تم اس قسم کی مفتریات کی تردید یورپ کے علماء، ہندوستان کے فضلاء، بلکہ خود معترضوں کے ہم قوم اور ہم مشرب اصحاب کی تحریروں ہی سے کما حقہٗ کر دکھائی ہے۔ اور ہر حق پسند اور صدق جو، گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے بادی النظر میں ہی معلوم کر لے گا۔ کہ ملک میں ہر جگہ بناہی اقتدار چاہنے والے اور ملک کی اہم مسلم اقلیت کو اس کے جائز حقوق سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے کے خواہش مند، اس کے خلاف جس قسم کا بے اصل، اور منافرت آمیز پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ وہ سراسر لغو، باطل اور بے بنیاد ہے۔

چونکہ ہم نے گذشتہ صفحات میں معترضوں کے صرف اعتراضوں کا ہی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی حضرت شارع اسلام، خلفائے اسلام، اور شمالی ہند و دکھن کے مسلم تاجداروں کی تابناک رواداریوں، عدیم النظیر فیاضیوں اور فقید المثال رعایا نوازیوں کے بھی بہت سے ناقابل تردید، روشن اور درخشاں ثبوت پیش کئے ہیں۔ کہ جن کا زیادہ تر حصہ خود غیر مسلموں ہی کی تحریروں سے ماخوذ ہے۔ لہذا ناظرین انہی سے قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ جب ہمارے آباؤ اجداد کی رواداریوں اور بے تعصبیوں کا اعتراف سخت سے سخت مخالف بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ تو پھر یہ کہنا بھی کس طرح حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کہ

"اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کہ جس کا نمونہ آج بھی دکن اور اسلامی صوبوں میں دیکھا جا سکتا ہے"۔

چونکہ اس جگہ اتنی گنجائش نہیں کہ معترضوں کے آخر الذکر اعتراض کا تفصیلی جواب دے سکیں۔ اس لئے فی الحال جو کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ خدا نے چاہا۔ تو اگلے حصہ میں **حکومت آصفیہ کی فقید النظیر رواداریوں** پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اور بتلائیں گے۔ کہ جس طرح گذشتہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے آقا و مطاع حضرت نبی کریم صلعم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی عدیم النظیر فیاضیوں، رواداریوں اور اور رعیت پروریوں کے روشن، درخشاں اور اَنمٹ نقش چھوڑے ہیں۔ اسی طرح دکن کے موجودہ تاجدار (خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ) بھی اپنی بیدار مغزی، عدل گستری، حُب الوطنی، رعایا پروری میں کسی سے کم نہیں۔ اور خدا نے توفیق دی۔ تو کسی الگ رسالہ میں اسلامی صوبوں کی مسلم اکثریت کی رواداریوں پر بھی شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

ہمیں توقع ہے۔ کہ ہمارے پیش کردہ دلائل اور شواہد کا مطالعہ کر لینے کے بعد اسلام، پیغمبر اسلام، اور شاہان اسلام کے خلاف اس قسم کا گھنونا، دلآزار اور منافرت آمیز پروپیگنڈا جو کہ باہمی اُلفت کو کم کرنے والا ہے۔ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے گا۔ اور آئندہ اس قسم کے لغو اور بیہودہ اعتراض کرنے کی بجائے تاریخ اسلام کا روشن اور اصلی پہلو پبلک کے سامنے رکھا جایا کریگا۔ تاکہ ملک میں خوشگوار کرہ ہوائی پیدا ہو۔ اور آئے دن کی کنا چینی، جنگ و پیکار اور لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور پہلے کی طرح پھر ہندو اور مسلمان یکجان اور دو قالب ہو کر اپنے وطن کی کوئی مفید اور ٹھوس خدمت کر سکیں۔ امید ہے کہ ہمارے سمجھدار اور صاحب فہم غیر مسلم بھائی حقیقت حال سے باخبر ہو جانے کے بعد اس قسم کے منافرت آمیز پروپیگنڈا کے سدباب کیلئے اپنی مخلصانہ کوششیں بروئے کار لائیں گے۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

نام کتاب	تعداد صفحات	قیمت	نام کتاب	تعداد صفحات	قیمت
برگزیدہ رسول غیروں میں مقبول حصہ اول	۶۴	۵ر	تردید قدامت وید	۱۶	۰ر
" " " دوم	۱۰۰	۵ر	ویدوں کی بے اعتباری	۱۶	۰ر
" " " سوم	۱۰۰	۵ر	تردید قدامت روح و مادہ	۸	-ر
" " " چہارم	۱۰۰	۵ر	پیدائش عالم	۸	-ر
رسول خدا کی غیر مسلموں کے متعلق رواداری			کونسی کتاب عالمگیر ہے ؟	۸	-ر
کی تعلیم	۱۶	۰ر	تبلیغ کا حق آریوں کو یا مسلمانوں کو ہے؟	۸	-ر
حضرت نبی کریم کے فرمائے اصول آزادی	۱۶	۰ر	ابطال تناسخ	۸	-ر
رسول مقبول کی صداقت پر صحابہ کی عینی شہادتیں	۱۶	-ر	سماجک مسلمات پر ۱۰۸ سوال	۸	-ر
توحید کا حقیقی علمبردار	۱۶	۰ر	آریہ سماج کے بنیادی اصولوں کی تردید ویدک	۱۲	ار
پیارا رسول ہندوؤں میں مقبول	۱۶	۰ر	ذبیحہ گائے از روئے وید شاستر	۱۲	ار
آئینہ اسلام و ویدک دھرم کی عکسی تصویر	۱۸۰	۱۲ر	بانی آریہ سماج کے اقوال میں تناقض	۸	۰ر
ابطال حقیقت وید	۱۲۰	۶ر	بطلان حدوث روح و مادہ	۱۲	ار
کیفیت وید	۶۴	۵ر	موجودہ بائبل الہامی نہیں	۶۰	۴ر
محاکمہ مابین آریہ سماج اور گاندھی	۱۰۰	۸ر	ہندو راج کے منصوبے	۲۱۲	۶ر
ویدوں کے سربستہ راز	۸۰	۵ر	ہندو سیاست کے داؤ پیچ	۲۲۰	۶ر
وید رشیوں کی تصنیف ہیں۔	۱۶	۰ر	مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی	۲۲۰	۶ر
کیا وید الہامی ہیں ؟	۱۶	۰ر	اچھوتوں کی درد بھری کہانیاں	۱۰۰	۳ر
ویدک الہام کی حقیقت	۱۶	۰ر	اچھوتوں کی حالت زار	۱۰۰	۳ر
کیا وید زندہ کتاب ہے ؟	۱۶	۰ر	وید شاستر اور اچھوت اُدھار	۱۰۰	۳ر
وید سمجھ سے بالا اور مہمل کتاب ہے۔	۱۶	۰ر	مسلمانان کشمیر اور	۱۴۴	۵ر
کیا وید ازلی ہیں ؟	۱۶	۰ر	ڈوگرہ راج		

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ ترقی اسلام قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

ملک فضل حسین صاحب پبلشر نے اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام چوہدری اللہ بخش پرنٹر چھپوا کر دفتر سے شائع کیا۔